بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

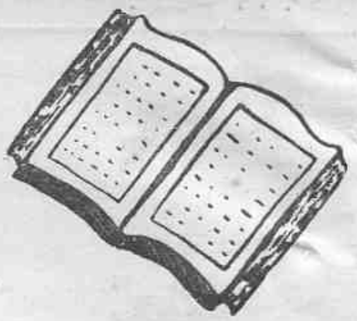

جمال و حسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

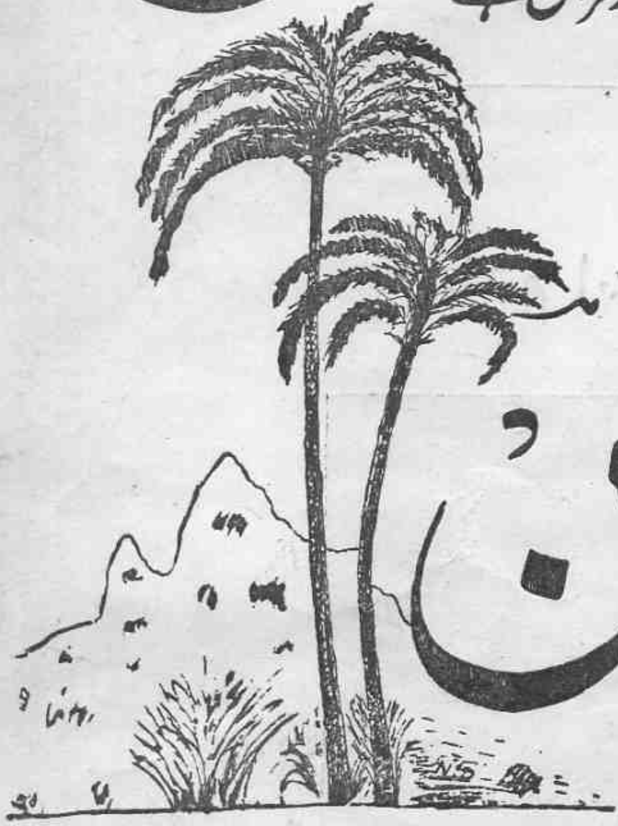

الفرقان

جنوری ۱۹۶۹

مالابار (بھارت) کے نو احمدی بھائیوں کا قافلہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے ساتھ۔ پیچھے چار مقامی احباب کھڑے ہیں۔

مدیر مسئول
ابو العطاء جالندھری

نیا سال مبارک ہو

خادم اپنے آقا کے حضور

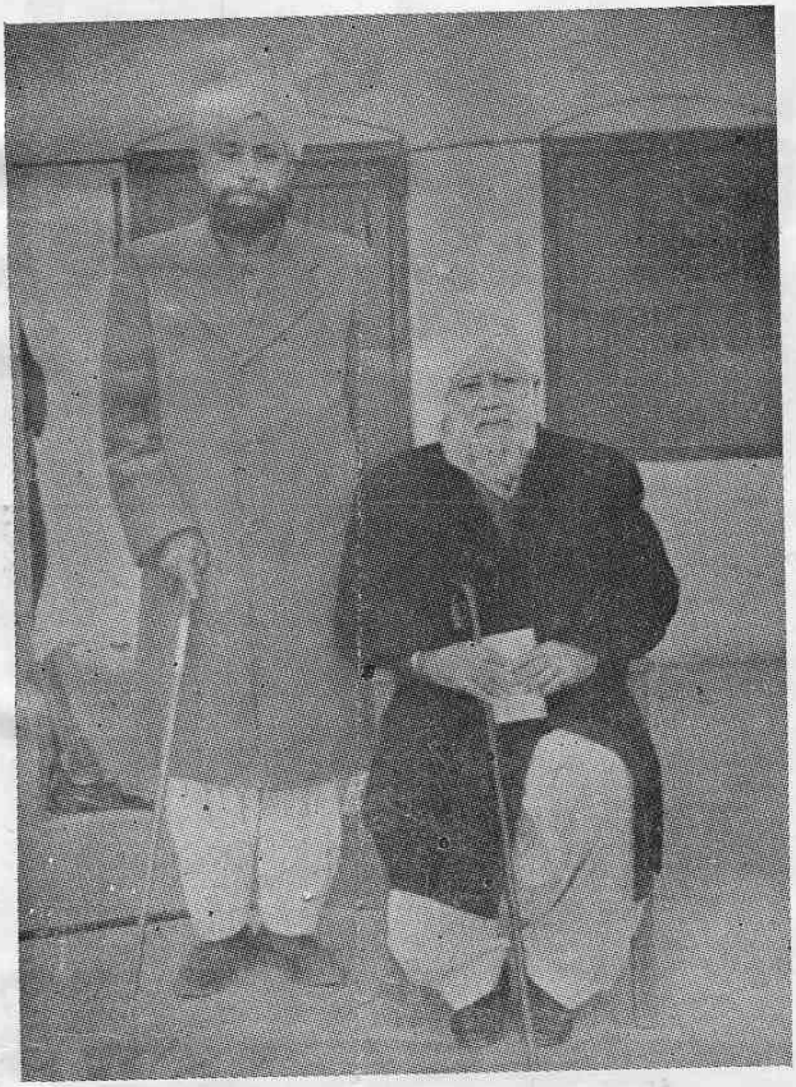

یکم صلح ۱۳۴۸ شمسی ہجری - یکم جنوری ۱۹۶۹ کا
ایک یادگار فوٹو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جلد ۱۹ — شمارہ ۱

ماہنامہ **الفرقان** ربوہ

جنوری ۱۹۶۹ء

شوال ۱۳۸۸ ہجری قمری — صلح ۱۳۴۸ ہجری شمسی

تبلیغی و تعلیمی مجلّہ الفرقان

اغراض و مقاصد

۱۔ فضیلتِ اسلام کا بیان۔
۲۔ قرآنی حقائق کا ذکر۔
۳۔ مخالفینِ اسلام کے اعتراضات کی تردید۔
۴۔ احمدیت (اسلام کی نشأۃِ ثانیہ) کا تذکرہ۔

قواعد و ضوابط

۱۔ تاریخ اشاعت شمسی مہینہ کی پندرہ تاریخ ہے۔
۲۔ سالانہ زرِ اشتراک پیشگی:-
پاکستان:- ...... چھ روپے
بھارت:- ...... آٹھ روپے
دیگر ممالک بحری ڈاک:- ..... تیرہ شلنگ
" ہوائی ڈاک:- ایک پاؤنڈ دس شلنگ
۳۔ تمام رقوم بنام مینیجر الفرقان ربوہ بھیجی جائیں۔
۴۔ مضامین بنام ایڈیٹر الفرقان ارسال کیے جائیں۔

ادارہ

ایڈیٹر:- ابوالعطاء جالندھری
نائبین:- دوست محمد شاہد مولوی فاضل
عطاء المجیب راشد ایم۔اے

ترتیبِ مقالات

مضمون	مصنف	صفحہ
احمدیوں کے مسلمان ہونے کے بارے میں ہائیکورٹ مغربی پاکستان کا فیصلہ	ایڈیٹر	ص۲
البیان — (سورۃ النساء کا ترجمہ و مختصر تفسیر)	ابوالعطاء	ص۵
شذرات	ایڈیٹر	ص۹
اشاعتِ اسلام کے ذرائع	جناب مولانا محمد منور صاحب فاضل مبلغ مشرقی افریقہ	ص۱۱
رہبانیت انسانی فطرت کے خلاف ہے (ٹائمز آف لنڈن میں کیتھولک پادری کا مقالہ)	ترجمہ جناب شاہد جمیل کراچی	ص۲۶
ہمارا مرکزی سالانہ جلسہ	ادارہ	ص۳۱
دنیا کی عمر (ایک تحقیقی مقالہ)	جناب چوہدری خالد سیف اللہ خاں صاحب لائل پور	ص۳۳
مسجد مبارک ربوہ میں اعتکاف	ادارہ	ص۴۳
بہائیوں کا ایک اہم خفیہ سرکلر	ایڈیٹر	ص۴۴
عزیزہ فریدہ کی یاد میں (نظم)	مکرم حافظ سلیم احمد صاحب اٹاوی	ص۴۵
اشتہارات		ص۴۶

اداریہ

احمدیوں کے مسلمان ہونے کے بارے میں

ہائی کورٹ مغربی پاکستان کا فیصلہ!

ہفت روزہ المنبر لائل پور کے مدیر صاحب نے ہائی کورٹ کے فیصلہ دربارہ چٹان کیس میں سے شق ۲۴ و ۲۵ کا ترجمہ شائع کیا ہے اور علماء کو اس پر غور کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔

ہم ذیل میں اخبار المنبر مؤرخہ ۱۱ر اکتوبر ۱۹۵۸ء سے وہ ترجمہ درج کرتے ہیں:-

"(۲۴) جہاں تک بنیادی حقوق نمبر ۸ اور نمبر ۹ جو کاروبار تجارت یا پیشہ کی آزادی اور تقریر کی آزادی کے بارے میں ہیں، کا تعلق ہے وہ ہنگامی حالت کے اعلامیہ کے باعث معطل پڑے ہیں، اپنے مذہب پر عمل کرنے اور کاربند ہونے کی آزادی (بنیادی حق ۱۸) زیر عمل ہے لیکن اس پر عمل درآمد کی آزادی کو واضح طور پر "قانون امن عامہ اور اخلاقیات کے تابع" کر دیا گیا ہے اس لئے یہ مطلق و خود مختارانہ نہیں ہے۔ درخواست دہندگان کے فاضل وکیل کا سارا زور اس دلیل پر تھا کہ احمدی اسلام کا ایک فرقہ نہیں ہیں اور ایسا کہنے کے اس حق کی ضمانت آئین دیتا ہے لیکن فاضل وکیل اس امر واقعہ کو نظر انداز کرتے ہیں کہ پاکستان کے شہریوں کی حیثیت سے احمدیوں کو بھی آئین کی طرف سے اس اعلان و دعویٰ کی وہی آزادی ہے کہ وہ اسلام کے دائرہ کے اندر ہیں۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ درخواست دہندگان اپنے لئے جس حق کا دعویٰ کرتے ہیں وہ دوسروں کے لئے اس سے انکار کیسے کر سکتے ہیں۔ یقیناً انہیں دہشت زدہ کر کے ایسا نہیں کیا جا سکتا۔ بنیادی سوال یہ ہے کہ درخواست دہندگان اور ان کے ہمخیال دوسرے لوگ احمدیوں کو یہ دعویٰ کرنے سے قانوناً کہاں تک روک سکتے ہیں کہ اسلام کے دوسرے فرقوں کے ساتھ اپنے عقائد کے اختلافات کے باوجود وہ اسلام کے اتنے ہی اچھے (نیک) پیروکار ہیں جیسا کہ کوئی دوسرا شخص ــــ جو اپنے آپکو مسلمان کہتا ہو۔ درخواست دہندگان کے فاضل وکیل نے اس سوال کا جواب صاف طور پر نفی میں دیا کہ کیا کوئی ایسی درخواست جس میں اس اعلان کے لئے کہا جائے کہ احمدی مسلمان نہیں ہیں یا احمدیوں کے خلاف کوئی ایسا مستقل حکم امتناعی کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہنے سے باز رہیں ــــ عدالت اس کی سماعت کی اہل و مجاز ہو گی؟ (عدالت کے لئے قابل سماعت ہو گا؟) درخواست دہندگان کے فاضل وکیل نے اس کا جواب نفی میں دیا ــــ اس سے واضح مدلتی ہے کہ درخواست دہندگان کے کسی قانونی حق کی عدم موجودگی میں کسی جائداد یا عہدہ کے حق کی صورت میں سول درخواست قابل سماعت ہو سکتی ہے۔ موخرالذکر قسم کے معاملات مثلاً سجادہ نشین یا کسی خانقاہ کے متولی یا اس قسم کے ایسے دوسرے ادارے

جن کے عہدے سنبھالنے کے لئے مذہبی عقائد اوّلین بنیادی شرط ہوتے ہیں، کے سلسلہ میں تو سول درخواست (سوٹ) قابلِ سماعت ہو سکتی ہے۔ ہمارے مقصد کی سب سے برمحل و موزوں مثال آئین کا آرٹیکل نمبر ۱۰ ہے جس کے مطابق صدارتی انتخاب کے امیدوار کے لئے دوسری اہلیتوں کے ساتھ یہ بھی لازم ہے کہ وہ "مسلمان" ہو، صدارتی انتخاب کے قانون مجریہ ۱۹۶۴ء کی دفعہ نمبر ۵ کے تحت ریٹرننگ آفیسر کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ آئین کے تحت تسلّی کے لئے صدر منتخب ہونے والوں کے بارے میں سرسری انکوائری کا اہتمام کرے۔ اس انکوائری میں اس کے مسلمان ہونے کے بارے میں استفسار بھی شامل ہے۔ اگر کسی امیدوار کے کاغذاتِ نامزدگی منجملہ دوسری باتوں کے اس بنیاد پر مسترد کر دیئے جائیں کہ وہ مسلمان نہیں تو انتخابی کمیشن سے اپیل کی جا سکتی ہے اور اس قسم کی اپیل پر کمیشن جو حکم دے وہ بمطابق ذیلی دفعہ (۵) قطعی ہوگا۔ آئین کے آرٹیکل نمبر ۱۷۱ میں یہ اہتمام بھی کیا گیا ہے کہ انتخاب سے متعلقہ تنازعات کا فیصلہ صرف ایسے طریق سے ہوگا جو یہاں دیا گیا ہے یا اس مقصد کے لئے قائم کردہ ٹربیونل کے ذریعہ ــــ اس کے علاوہ کسی اور طرح نہیں۔ آرٹیکل کی دفعہ (۲) میں لکھا ہے۔

> "جب کسی شخص کے بارے میں صدر منتخب
> ہو جانے کا اعلان کیا جا چکا ہو تو اس
> کے انتخاب کے جواز پر کسی عدالت یا
> دوسری اتھارٹی کے ذریعہ اعتراض
> نہیں کیا جائے گا۔"

اس طرح یہ دیکھا جائے گا کہ صدارتی انتخاب کے مقصد کے لئے بھی ایک خاص دائرۂ اختیار و سماعت پیدا کیا گیا ہے جو اس تعیّن میں قطعی اور آخری فیصلہ کرتا ہے کہ کیا انتخاب کے لئے امیدوار مسلمان ہے یا نہیں۔ اس طرح سول عدالتوں کے دائرۂ اختیار کو محدود و پابند کر دیا گیا ہے۔

(۲۵) ہم معاملہ کے اس پہلو پر غور کرنے کے لئے مجبور ہوئے کیونکہ درخواست دہندگان کے فاضل وکیل نے اپنی بحث کے دوران میں منیر انکوائری رپورٹ کے بعض حصّوں کے حوالے دیئے جو ۱۹۵۳ء میں پنجاب کے ہنگاموں پر ہیں اور جن میں احمدیوں اور مسلمانوں کے دوسرے فرقوں کے درمیان عقائد کے اختلافات پر روشنی ڈالی گئی ہے اور بعض ایسے حادثات کا ذکر ہے جن میں بعض افراد، جو اپنے آپ کو احمدی کہتے تھے، کو "مرتد" کہا گیا اور بعض واقعات میں قتل کر دیا گیا۔ دو فیصلے بھی ریکارڈ میں رکھے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک فیصلہ سابق پنجاب کی ایک ماتحت عدالت کا اور دوسرا کسی وقت کی ریاست بہاولپور کا ہے، ان میں قرار دیا گیا ہے کہ احمدی مسلمانوں کا فرقہ نہیں ہیں۔ ہمیں حیرت ہے کہ یہ مثالیں کس طرح متعلقہ ہو سکتی ہیں؟ فیصلے ماتحت عدالتوں کے ہیں اور وہ شہادتوں کے ایکٹ مجریہ ۱۸۷۲ء کی دفعہ ۱۳ کے تحت بھی متعلقہ نہیں ہیں۔ جہاں تک احمدیوں کو "مرتد" قرار دینے اور "موت کے مستوجب" قرار دینے کی مثالوں کا تعلق ہے ہمیں یہ کہنے کی ضرورت پڑتی ہے کہ یہ مذہبی تختہ دار کی المناک مثالیں ہیں اور اگر انسانی امور میں خوبی و نیکی باقی ہے تو انسانی ضمیر کو اس کے خلاف لازماً بغاوت کرنا چاہیئے۔ یہ مثالیں میچی

اسلامی اخلاقیات کے منافی ہیں جن کی ممانعت قرآن کریم (۲۲۵) میں کی گئی ہے۔ قرآن واضح الفاظ میں ضمیر کی آزادی کی ضمانت دیتا ہے۔ اس کا ترجمہ یہاں دیا جاتا ہے۔

"دین میں کوئی جبر نہیں ——"

(اے یوسف علی)

اسی قسم کی آزادی کی ضمانت تمام مذاہب کو سورہ ۶۲ میں دی گئی ہے۔

"وہ جو یقین کرتے ہیں (قرآن میں)
اور وہ جو پیروی کرتے ہیں یہودی
(الہامی کتب کی) اور عیسائی اور
وہ جو خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور
روزِ قیامت پر —— اور سیدھا
راستہ اپناتے ہیں انہیں ملے گا
انعام —— اپنے آقا سے ——
ان پر کوئی خوف نہیں ہوگا نہ ہی
وہ تکلیف اٹھائیں گے۔"

باب ۷۹-۳ میں ایسا واضح حکم ہے جس میں آدمی کو حتیٰ کہ پیغمبر کو بھی دوسروں پر اپنی رائے ٹھونسنے سے ان الفاظ میں منع کیا گیا ہے۔

یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک آدمی جسے
کتاب دی گئی ہے اور دانش
—— اور پیغمبری کا منصب وہ
لوگوں سے کہے:
"تم میرے عبادت کرنے والے
—— بجائے خدا کی عبادت کرنے
والوں کے —— اس کے برعکس
(وہ کہے گا)
تم اس کی عبادت کرو جو سب کا سچا
خالق ہے اسی نے تمہیں کتاب سکھائی
اس کا دل سے مطالعہ کرو۔"

(اے یوسف علی)

خیال اور ضمیر کی آزادی کی ضمانت اس سے زیادہ واضح الفاظ میں نہیں دی جاسکتی تھی۔ قرآن پاک کے یہ حوالے درخواست دہندگان کے اس موقف کی معقولیت کو ظاہر کردیتے ہیں جسے انہوں نے بنیادی حق نمبر ۱ کے حصول کے لئے اپنی رٹ درخواست کی بنیاد بنایا ہے۔" (المنبر ۱۱ اکتوبر ۱۹۶۸ء)

ہمارے عقائد اور ہمارا عمل

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:-

"ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدّامِ ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاکِ راہِ احمدِ مختار ہیں
سارے حکموں پر ہمیں ایمان ہے
جان و دل اس راہ پر قربان ہے"

(ازالہ اوہام حصہ دوم)

النسآء ع ۱۴

البَیَانُ

قرآن مجید کا سلیس اُردو ترجمہ مختصر اور مفید تفسیری حواشی کے ساتھ

إِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ

تحقیق وہ لوگ جن کی روحیں فرشتے ان کی اس حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنیوالے ہوتے ہیں تو

قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ

فرشتے ان سے دریافت کرتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے؟ (یعنی دین پر عمل پیرا کیوں نہ تھے؟) وہ لوگ جواب میں کہتے ہیں کہ ہم زمین میں ضعیف گردانے جاتے تھے

قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ

فرشتے اُن سے کہیں گے کیا اللہ کی زمین فراخ نہ تھی تم اس میں کسی دوسری جگہ ہجرت کر جاتے؟

تفسیر - اس رکوع میں صرف چار آیات ہیں۔ گزشتہ رکوع کے آخر میں یہ امر بیان ہو چکا ہے کہ مجاہدین کو قاعدین پر خاص فضیلت حاصل ہے۔ قاعدین (عملی جہاد میں حصہ نہ لینے والے) دو قسم کے ہوتے ہیں (۱) واقعی معذور (۲) بغیر حقیقی عذر کے قربانی سے گریز کرنیوالے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہر شخص سے اسکے خلوص، اسکے حالات اور نیت کے مطابق معاملہ ہوگا۔ فرمایا انسانی اعمال کے مستقل نتائج موت کے بعد سامنے آتے ہیں اور انسان کو حقائق کا سامنا کرنا پڑتا ہے اسلئے اس وقت کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔

پہلی آیت میں بتلایا کہ جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے کی حالت میں مر جاتے ہیں یعنی وہ توبہ و اصلاح کی توفیق نہیں پاتے ان کا انجام نہایت بُرا ہوتا ہے۔ اگر انسان سے کوئی غلطی اور گناہ سرزد ہو جائے اور اللہ تعالیٰ زندگی میں اسے توبہ کی توفیق عطا فرمائے تو وہ تو قابلِ عفو ہے لیکن جو شخص زندگی بھر بدیوں میں مبتلا رہا، اپنی جان پر ظلم کرتا رہا اور اس حال میں موت کا فرشتہ اسکے پاس آ گیا تو اس کا کوئی عذر مسموع نہ ہوگا۔ فرمایا ایسے لوگوں سے فرشتے پوچھتے ہیں کہ تم یہ کیا کرتے تھے کہ دین سے برگشتہ رہے اور احکام الٰہی کی پابندی نہ کی۔ وہ لوگ بطور عذر کہیں گے کہ کیا کرتے ہم تو حالات سے معذور تھے۔ ہمارے مخالف بڑے طاقتور تھے ہمارا ماحول

فَأُولٰٓئِكَ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ اِلَّا

پس ان لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور یہ نہایت برا ٹھکانا ہے ۔ اس سزا سے مستثنیٰ ہونگے

الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ

وہ ضعیف، مرد ہوں یا عورتیں یا بچے، جو

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ۝ فَأُولٰٓئِكَ

فی الواقع کوئی تدبیر نہ کر سکتے تھے اور نہ انہیں اس حالت سے مخلصی کا کوئی طریق نظر آتا تھا ۔ پس

ایسا تھا کہ ہم دین کے لئے قربانی نہ کر سکتے تھے ۔ فرشتوں کی طرف سے انکو جواب دیا جائے گا کہ تمہارا عذر درست نہیں کیونکہ خدا کی زمین وسیع تھی اگر ایک شہر یا ایک ملک میں تمہارے لئے آزاد ماحول موجود نہ تھا تو تم دوسری جگہ ہجرت کر جاتے اور وہاں جا کر دین پر عمل پیرا ہو جاتے اور قربانیاں کرتے ۔

اس آیت سے ایک مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی جگہ مذہبی اعمال کے لئے آزادی حاصل نہ ہو تو مومن کا فرض ہے کہ وہاں سے ہجرت کر جائے ۔ جگہ اور شہر اور ملک کو بدل لے ۔ مناسب ماحول کی تلاش خود مومن کے فرائض میں داخل ہے ۔ گویا اسلام میں ہجرت کی اساس اور غرض یہ ہے کہ دین پر عمل پیرا ہونے کے لئے مناسب ماحول حاصل کیا جائے ۔ جو حکومت مسلمانوں کو مذہبی اعمال کے لئے آزادی نہ دے اسکے ملک سے ہجرت کرنا ضروری ہے ۔ اور جہاں مذہبی آزادی موجود ہو مگر خود مسلمان کہلانے والے عمل نہ کریں اور عذر اپنے آزاد نہ ہونے اور مستضعف ہونے کا کریں تو وہ مجرم ہیں ان کا عذر مقبول نہ ہوگا ۔

ہجرت کے حکم میں یہ بھی تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ملک میں فساد برپا کرنے کو ہرگز پسند نہیں کرتا اور لڑائی کے اپنی طرف سے شروع کرنے کی اجازت نہیں دیتا ۔ ہجرت درحقیقت اسلام کے پھیلنے کا زبردست ذریعہ ہے اسلئے مہاجر فی سبیل اللہ کو خاص مرتبہ حاصل ہوتا ہے ۔

اس آیت میں ایک مسئلہ یہ بیان ہوا کہ جو لوگ ہجرت کر سکتے ہوں اور پھر آزاد ماحول کی تلاش میں ہجرت نہ کریں اور بے عملی میں زندگی گزار دیں وہ قابلِ مواخذہ ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے لئے سزا مقرر ہے ۔

دوسری اور تیسری آیت میں یہ مضمون بیان ہوا ہے کہ جو لوگ واقعی معذور ہیں ظالم اور جابر لوگ نہ انکو مذہب کے مطابق عمل کرنے کی اجازت دیتے ہیں اور نہ انہیں ہجرت کرنے کا موقعہ دیتے ہیں ایسے معذور لوگ خدا کے عفو کے مستحق قرار پائیں گے ۔ بعض لوگ ایسے ماحول میں ہوتے ہیں کہ وہ مذہب پر کھلے طور پر عمل نہیں کر سکتے اور ان کو یہ بھی

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ○

توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے ضرور درگزر فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ بہت درگزر کرنیوالا اور بخشنے والا ہے۔

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا

جو شخص راہِ خدا میں خلوصِ نیت سے ہجرت کرے گا وہ زمین میں بہت سے راستے

كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۭ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا

اور فراخی پائے گا۔ جو شخص اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کرتے ہوئے

طاقت نہیں ہوتی کہ وہ شہر یا ملک چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جائیں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو معذور ٹھہرایا ہے اور امید دلائی ہے کہ اگر وہ دل سے مخلص ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرمائے گا۔

اس جگہ یہ مسئلہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام کا اصول لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ایک عمومی اور فطری اصول ہے۔ جو کام فی الواقع انسان کی مقدرت سے باہر ہے اس کے لئے انسان سے مواخذہ نہیں ہوگا۔ آیت میں ان لوگوں کی معذوری کو دو لفظوں میں بیان فرمایا ہے (۱) لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً کہ وہ دشمن کے نرغے سے نکلنے کا کوئی ذریعہ نہیں پاتے۔ ہجرت کر جانا باوجود خواہش و جد و جہد کے ان کے بس میں نہیں ہے، دشمن ان کو ملک چھوڑنے کا موقعہ ہی نہیں دیتے (۲) وَلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دشمن جبراً تو نہیں روکتا مگر ان کے پاس سامان ہی نہیں۔ انہیں وہ طریق ہی میسر نہیں جس سے وہ ہجرت کر جائیں۔ گویا بیرونی معذوری ہو یا اندرونی معذوری ہو، اگر معذوری حقیقی ہو تو اللہ تعالیٰ انسان پر گرفت نہیں فرماتا ہاں جھوٹا عذر بارگاہ رب العزت میں قابل پذیرائی نہیں ہے۔

تیسری آیت میں عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ میں عفو کی امید دلائی ہے۔ لفظ عَسٰی توقع اور غالب امید کے لئے آتا ہے اور شاہی کلام کا انداز یہی ہے کہ اس میں عَسٰی کا استعمال وعدہ کا رنگ رکھتا ہے نیز اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک و قادر ہے کوئی اسے مجبور نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے ارادہ سے عفو و درگزر فرماتا ہے۔ آیت کے آخر میں وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا کہہ کر اس کی صراحت فرما دی کہ یہ عَسٰی امید اور یقین پر مشتمل ہے۔ ہاں اس لفظ میں ایک پہلو انذار کا بھی ہے کہ اگر تم فی الواقع معذور نہ ہوتے تمہارے نفس نے تم کو دھوکا دے رکھا ہو تو تم عفو کے حقدار نہ ہو گے۔

اس رکوع کی چوتھی آیت میں یہ بشارت ہے کہ جو لوگ نیک نیتی سے خدا و رسول کے احکام کے مطابق

إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ

اپنے گھر سے نکل پڑتا ہے　پھر　اُسے موت آجاتی ہے　تو یقیناً

وَقَعَ أَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ع

۱۴ ع ۱۱

اس کا اجر اللہ کے ذمہ واجب ہو جاتا ہے۔　اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

ہجرت کریں گے وہ ناکام نہ ہوں گے بلکہ اللہ تعالیٰ زمین میں ان کے لئے فراخی اور وسعت پیدا کرے گا اور ان کے لئے کامیابیوں کے راستے کھولے جائیں گے۔ وہ دشمنوں کے منصوبوں کو خاک میں ملاتے ہوئے دین کی سرفرازی کے مقصد میں ضرور کامیاب ہوں گے۔

اسلام کی ہجرتِ اولیٰ ہجرتِ مدینہ اس کی بہترین مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بے گھر اور بے زر مسلمانوں کی کس شان سے دستگیری فرمائی۔ ان کی قربانیوں کو نوازا۔ انہیں نہ صرف مکہ مکرمہ میں غالب کرکے لایا بلکہ سارے ملک کی حکومت ان کے قدموں میں ڈال دی۔ یہ مثالی ہجرت تھی۔ اس کے بعد جب کبھی مسلمانوں نے حقیقی ہجرت کی ہے وہ "مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّ سَعَةً" پاتے رہے ہیں تقسیم ہند کے بعد جن لوگوں یا جماعتوں کی ہجرت اللہ اور رسول کے لئے تھی اللہ تعالیٰ انہیں دین و دنیا میں کامیاب کرکے اپنے اس وعدہ کو پورا کررہا ہے۔ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا۔

آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ مہاجر اگر راہ میں فوت بھی ہو جائے مگر چونکہ اس کی نیت خالص تھی اور وہ خدا کے لئے رختِ سفر باندھ کر نکلا تھا اسلئے اس کا اجر و ثواب تو اُسے بہرحال ملے گا اور وہ خدا کی مغفرت کی آغوش میں ہوگا۔

اس رکوع کا خلاصہ یہ ہے کہ مومنوں کو دینِ حق پر عمل پیرا ہونا چاہیئے۔ اس عظیم مقصد کی خاطر اگر انہیں وطن کی قربانی کرنی پڑے تو اس سے ہرگز ہچکچانا نہ چاہیئے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق یہ اقدام کریں گے اللہ تعالیٰ انہیں ضائع نہیں ہونے دے گا بلکہ انہیں اپنے مقاصد میں کامیاب و کامران کرے گا اور ان کے دشمن نامراد ہوں گے۔

جو مسلمان حقیقی عذر کے ماتحت ہجرت نہ کرسکیں ان کا حکم یوں بیان ہوا ہے کہ وہ مقدور بھر دین کو قائم کریں۔ جو بات ان کی طاقت سے باہر ہے اللہ تعالیٰ اس بارے میں ان سے مواخذہ نہ فرمائے گا۔

شذرات

(۱) مسمارِ کلیسا پادری

مسیحی رسالہ کلامِ حق گوجرانوالہ لکھتا ہے :-

"ہم بڑے دکھ کے ساتھ سیالکوٹ
مشن کی وہ بدنما تصویر آپ کے سامنے
پیش کر رہے ہیں جو گزشتہ تیس سالوں
سے بگڑنی شروع ہوئی اور مشن کے خود غرض
اور نااہل کارندوں کی بدعنوانیوں کی وجہ سے
بگڑتی چلی گئی"

ساری تفصیل بیان کرنے کے بعد آخر میں قابلِ حل سوال بایں الفاظ تحریر کیا ہے کہ :-

"اب آپ ہی بتائیں کہ سیالکوٹ
مشن کے یہ ناکام مشنری اور ان کے
حلقہ بگوش پادری معمارِ کلیسا ہیں یا مسمارِ
کلیسا ؟"

(کلامِ حق جنوری ۱۹۶۹ء صفحہ ۱۴-۱۵)

الفرقان - ہمیں مدیر کلامِ حق سے اتفاق ہے کہ کلیسا کا مقدر زوال پادری صاحبان کو معمار کی بجائے مسمار ثابت کر رہا ہے۔ وہ خود اپنے ہاتھوں اس عمارت کو مسمار کر رہے ہیں۔ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِأَيْدِيْهِمْ کی خبر اس زمانہ میں بھی پوری ہو رہی ہے کہ کسرِ صلیب کے الٰہی سامان ہیں۔

(۲) امریکی خلابازوں کا فضائی دعائیہ پیغام

امریکہ کے خلائی جہاز اپالو ہشتم میں تین جوانمرد چاند کے مدار میں گئے اور بخیریت واپس آ گئے انہوں نے دسمبر ۱۹۶۸ء کے آخری ایام میں زمین سے دو لاکھ تیس ہزار میل کے فاصلہ سے اہلِ زمین کو پیغام دیا جو زمین والوں نے سُنا کہ :-

"خواتین و حضرات! کیا ہم امید رکھیں کہ
آپ ہمارے ساتھ اس دعا میں شریک ہونگے
خداوندا! تُو ہم عاصیوں کے گناہ بخش دے۔
خداوند تُو ہماری کوتاہیوں کو نظر انداز کر!
خداوند تُو ہمیں زندگی میں نکوکاری پر تکیہ کرنے
کی توفیق عطا فرما۔ اے ارض و سما کے مالک
تُو ہمارے دلوں کو محبت کے نور سے بھر دے
تُو ہمیں عالمگیر امن کا علم عطا فرما۔ آمین"

(مشرق لاہور ۹ر جنوری ۱۹۶۹ء)

الفرقان - یہ دعائیہ پیغام انسانی فطرت کی اصلیت پر واضح طور پر دلالت کرتا ہے اور اہلِ حق کو امید دلاتا ہے کہ انسان سائنسی ترقی کی انتہا کو پہنچنے کے باوجود ایک خالق و مالک خدا کی ہستی کا اقرار کرتا رہے گا اور آخر أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى والی فطرتی توحید غالب آئے گی اور ایک دن یورپ و امریکہ کو سچے

خدا کا پتہ لگے گا۔ اللہ تعالیٰ وہ دن جلد لائے۔ آمین

(۳) زمانہ کی حالت کی ابتری

مدیر المنبر لکھتے ہیں:۔

"نئی نسل انتہائی تیز رفتاری سے اسلام سے الحاد کی طرف لڑھک رہی ہے اور اہل دین ہی نہیں نفس دین سے نفرت تیز و تند آندھی کی طرح اس کے قلوب پر چھائی جا رہی ہے۔ دینی مدارس کی حالت روز افزوں خراب ہوتی چلی جا رہی ہے تعلیم دین سے بے رغبتی، مدارس میں زیادہ سے زیادہ حصولِ آسائش، اساتذہ کے احترام میں خلل اندازی، تدین و تعبد سے محرومی اور ان سے زیادہ سے زیادہ رذائل کی جانب نہ بدلنے والا میلان جس شدت سے موجود ہے ——— اور ہم بالعموم

وَاضِعُ الْعِلْمِ عِنْدَ غَيْرِ أَهْلِهِ
كَمُقَلِّدِ الْخَنَازِيرِ الْجَوَاهِرَ

کا مصداق ہی نہیں بن رہے بلکہ ظالم مجرمین اس کے دروازے کھولنے کا باعث بھی بن رہے ہیں۔"

(المنبر یکم نومبر ۱۹۶۸ء)

الفرقان۔ ہم اس بیان پر اپنی طرف سے کوئی تبصرہ کرنا نہیں چاہتے۔ ہاں اتنی توجہ دلانا ضروری ہے کہ دینی مدارس کے فارغ التحصیل علماء کو عربی جملہ میں جو الخنازیر قرار دیدیا گیا ہے اس پر نظر ثانی ہونی چاہیئے۔

(۴) جہاد کے وسیع معانی

"حدیث جہاد" کے عنوان سے مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی روزنامہ امروز ملتان مؤرخہ ۸ ستمبر ۱۹۶۸ء میں رقمطراز ہیں:۔

"جہاد کے معنی ہیں انتھک کوشش، سعی بلیغ۔ جسے انگریزی میں ——— utmost effort کہتے ہیں۔ یہ بھرپور جد و جہد اگر راہِ خدا یعنی کارِ خیر میں ہو تو جہاد فی سبیل اللہ ہے ورنہ جہاد فی سبیل الطاغوت۔

یہ کوشش ہاتھ پاؤں سے، زبان سے، قلم سے، دل و دماغ سے، روپے سے، تبلیغ سے، خون سے، حتّٰی کہ دعاؤں سے بھی ہوسکتی ہے اور یہ سب کا سب جہاد ہے۔" (روزنامہ امروز ملتان ۸ ستمبر ۱۹۶۸ء۔ مرسلہ قاضی محمد اسحاق صاحب بسمل)

الفرقان۔ جہاد کی یہ اقسام موقعہ و ضرورت و حالات کے مطابق فرض اور ضروری قرار پاتی ہیں۔ مثلاً جب زبانی نصیحت کی ضرورت ہے تو وہ لازمی جہاد ہے، جب قلم کے ذریعہ دفاعِ اسلام کا موقعہ ہے تو وہ جہاد فرض ہے اور جب تلوار سے حملہ ہوا اور ضرورت

تلوار کے استعمال کی ہو تو وہ جہاد فرض ہوگا بعض اقسام جہاد مثلاً دعا ہر وقت ہی واجب ہیں۔ اس نکتہ کو نہ سمجھنے کے باعث قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں نے بہت نقصان اٹھایا ہے۔

(۵) مسیحی دنیا میں تزلزل

مسیحی رسالہ کلامِ حق لکھتا ہے :-

(الف) "ڈاکٹر (پادری کے۔ایل۔ناصر) صاحب نے بڑے افسوس سے ذکر کیا کہ امریکی یونی چرچ نے نیا اقرار الایمان تیار کر لیا ہے۔ جسے faith of Confession 1967 کہتے ہیں۔ یہ اقرار الایمان نئے خیالات کے حامیوں کا ہے۔ یہ سن کر لاہور کے مسیحیان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور ان کی غیرت جوش میں آ گئی کہ نئے خیالات رکھنے والوں نے بائیبل مقدس کے متن بھی بدل ڈالے ہیں۔ انہوں نے اپنی مرضی کے مطابق کتاب مقدس کے نئے ایڈیشن انگریزی اور دوسری زبانوں میں چھپوا بھی لئے ہیں۔"

(ب) "۴½ بجے پھر پادری کے ایل ناصر نے بائیبل مقدس کے نئے ترجمے جو انگریزی میں کئے گئے ہیں اور بائیبل سوسائٹی لاہور اور چند ایک اداروں میں فروغ دیئے جا رہے ہیں کے نقائص بیان کئے۔ آپ نے خاص طور پر یوحنا ۳ باب ۱۶ آیت کا ذکر کیا کہ begotten Son یعنی مولود مقدس کو اب صرف بیٹا only Son لکھا گیا ہے اسی طرح یسعیاہ ۷ باب ۱۴ آیت میں کنواری Virgin کی بجائے Yong woman بدل دیا گیا ہے۔ پادری صاحب نے بتایا کہ اس اقدام سے خداوند کی لاثانی شخصیت کو کمتر کرنا مقصود ہے۔" (رسالہ کلامِ حق گوجرانوالہ جنوری ۱۹۶۹ء صفحہ ۱۵-۱۶)

الفرقان :- ہر دو اقتباس قارئین کرام کے زیرِ نظر ہیں ان سے ظاہر ہے کہ ان دنوں عیسائیوں میں تہلکہ مچا ہوا ہے۔ مشرق و مغرب میں محققین کے نئے بیانات نے پرانے خیال کے عیسائیوں کو ہلا دیا ہے! گویا وہ تسلیم کر رہے ہیں کہ بائیبل کا متن بھی بدل دیا گیا ہے۔ نیز نئے تحقیقی ترجمہ کی وجہ سے عیسائیوں کے معتقدات الوہیتِ مسیح، کنواری سے ولادت اور صلیبی موت بے ثبوت ہو گئے ہیں جس سے مسیحیت کی عمارت آہستہ آہستہ پیوندِ خاک ہوتی نظر آ رہی ہے۔ کیا یہ یذوب کما یذوب الملح فی الماء کا نظارہ نہیں ؟

(۶) اسلامی قانون نافذ کرنے کا صحیح طریق

مدیر المنبر لکھتے ہیں :-

"ہم اس بارے میں کچھ زیادہ پُر امید نہیں ہیں کہ ایمان ویقین میں خطرناک ترین ضعف کی حالت میں محض سیاسی دباؤ سے یہاں اسلامی قانون نافذ ہو جائے گا۔" (المنبر لائلپور ۲۷ دسمبر ۱۹۶۸ء)

الفرقان ۔ اندریں حالات کیا یہ بہتر نہیں کہ "ایمان ویقین میں خطرناک ترین ضعف کی حالت" کو دُور کرنے کے لئے پُوری اور مخلصانہ جدوجہد کی جائے۔ آخر علماء اس سیدھی راہ اور منہاجِ انبیاء کو چھوڑ کر "سیاسی دباؤ" کے پیچھے کیوں پڑے ہوئے ہیں۔ کیا کہیں ایسی بات تو نہیں کہ خود یہ لوگ "ایمان ویقین میں خطرناک ترین ضعف" کا شکار تو نہیں ہو گئے؟ کوئی یہ بھی تو سوچے کہ یقین و ایمان کے اس خطرناک ترین ضعف کا علاج آسمان سے ہوا کرتا ہے یا زمینی لوگ اس ضعف کا ازالہ کر سکتے ہیں؟ تاریخ مذاہب تو یہی بتاتی ہے کہ ایسے حالات میں علاج آسمان سے آیا کرتا ہے۔ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ۔

(۷) عقیدۂ تجسّم نے خدا قدوس کو مجبور قرار دیا ہے

مسیحی رسالہ اخوّت لاہور کرسمس کے سلسلہ میں لکھتا ہے:۔

"ولادتِ مسیح کی یہ مسرت بخش عید بھی اس حقیقتِ عظمیٰ کی مظہر ہے کہ خدائے قدوس کو اس کم بخت، فانی، نجس اور گنہگار انسان کی نجات کی خاطر تجسّم اختیار کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔"

(اخوّت دسمبر ۱۹۶۸ء صفحہ ۱۲)

الفرقان ۔ نقرہ "مجبور ہونا پڑا" تشریح طلب ہے۔ کیا خدائے قدوس کو انسان کی نجات کے لئے کوئی اور راہ معلوم نہ تھی؟ کیا وہ توبہ و استغفار کے ذریعہ گنہگاروں کو نجات نہیں دیتا رہا؟ مسیح کی ولادت تک جو اَن گنت انسان ہو چکے ہیں ان کی نجات کے لئے خدائے قدوس کیوں مجبور نہ ہوا؟ یہ "مجبوری" آخر صرف انیس سو سال پیشتر ہی کیوں پیش آئی؟ عیسائی صاحبان غور کریں تو بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ ان کا عقیدہ تجسّم خدا نادرست ہے کیونکہ وہ خدائے قدوس کو قادرِ مطلق اور غفار و ستار نہیں بلکہ ایک مجبور وجود ثابت کرتا ہے۔ ع

کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے

(۸) تضاد بیانی کی انتہاء

ہفت روزہ المنبر کے ایڈیٹر صاحب لکھتے ہیں:۔

"ہر شخص جانتا ہے کہ انگریز کے دورِ استبداد میں قادیانی نبوت کا ڈھانچہ تیار ہوا۔ انگریز اگرچہ بقول مرزا غلام احمد اس نبوت کا سرپرست اعلیٰ تھا اور یہ پودا انگریز ہی کا خود کاشتہ تھا تاہم

انگریزی حکومت نے امتِ مسلمہ کو اس بات کی مکمّل آزادی دے رکھی تھی کہ وہ اس نبوت کے ابطال کی جدوجہد میں ہر وہ بات کہیں جسے وہ درست اور ضروری سمجھتے ہوں۔" (۲۷ دسمبر ۱۹۶۷ء)

الفرقان۔ صاف ظاہر ہے کہ اگر نعوذ باللہ احمدیت کا "سرپرستِ اعلیٰ" انگریز ہوتا اور انگریزی حکومت نے یہ آسمانی پودا لگایا ہوتا تو وہ حکومت اتنی بڑی **حماقت** ہرگز نہ کرتی کہ **ہندوستان بھر کے علماء** کو اس تحریک کے مٹانے کے لئے **جدوجہد کی "مکمّل آزادی"** دیتی۔ انگریزوں کا احمدیت کے "ابطال" کے لئے علماء کو کھلے بندوں مکمّل آزادی دینا صاف بتاتا ہے کہ انگریز احمدیہ تحریک کو ہرگز پسند نہ کرتے تھے اور انہیں خوشی ہوتی اگر علماء اس تحریک کو مٹا سکتے مگر یہ تو خدائے ذوالجلال کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودا ہے جسے دنیا بھر کی حکومتیں بھی اکھاڑ نہیں سکتیں۔ حضرت مسیح پاک نے صاف فرما دیا تھا ؎

اے آنکہ سوئے من بدویدی بصد تبر
از باغباں بترس کہ من شاخِ مثمرم

پس صاف ظاہر ہے کہ احمدیت انگریز کی سرپرستی میں نہیں بلکہ قادرِ مطلق خدا کی حفاظت میں بڑھی ہے۔ مدیر المنبر کا اقتباس تضاد بیانی کا واضح نمونہ ہے۔ ہم حیران ہیں کہ یہ علماء کب تک لوگوں کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کی ناکام کوشش کرتے رہیں گے؟

(۹) توما رسول کا تبلیغ کے لئے ہندوستان میں آنا

ماہنامہ اخوّت لکھتا ہے :۔

"شاید بہت کم لوگ اس حقیقت سے آشنا ہوں کہ ہندوستان میں مسیحیت کا پرچار کرنے والے سب سے پہلے حضرت توما رسول تھے جو مسیح خداوند کے بارہ شاگردوں میں سے ایک تھے۔" (دسمبر ۱۹۶۷ء صفحہ ۱۹)

الفرقان۔ مسیح نے اپنے شاگردوں کو تبلیغ پر بھیجتے وقت ہدایت فرمائی تھی کہ :۔

"غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ **اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا** اور چلتے چلتے یہ منادی کرنا کہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی ہے"

(متی ۱۰/۵-۷)

پس ثابت ہوا کہ اس وقت ہندوستان میں "اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑیں" موجود تھیں۔ صحیح تحقیق یہ ہے کہ ان گم شدہ اسرائیلی بھیڑوں کی تلاش میں مسیح نے نہ صرف توما کو بھیجا بلکہ خود بھی ہندوستان میں تشریف لائے اور یہیں فوت ہوئے اور محلہ خانیار سرینگر میں ان کی قبر موجود ہے۔ اس **حقیقتِ عظمیٰ** کا بھی مسیحیوں کو علم ہونا چاہیئے۔ قرآن مجید نے حضرت مسیح کو رَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ قرار دے کر ان کا آخری ٹھکانہ شفاف چشموں والی بلند وادی بتلائی ہے۔

(۱۰) مسیح موعود کا نبی ہونا اُمتِ محمدیہ کا متفقہ عقیدہ ہے

ہفت روزہ تنظیم اہلحدیث لاہور لکھتا ہے :-

" اُمتِ محمدیہ کا متفقہ عقیدہ
ہے اور احادیث نبویہ میں اس کی
تصریح ہے کہ مسیح موعود نبی ہیں
مگر لاہوری مرزائی ان کی نبوت کا
منکر ہے اس بناء پر وہ بھی کافر ہے۔"

(۲۹ نومبر ۱۹۶۸ء صٹ)

الفرقان: جب آنے والے مسیح موعود کا نبی ہونا اُمتِ محمدیہ کا متفقہ عقیدہ ہے اور احادیث نبویہ میں یہ تصریح موجود ہے تو پھر کس معقولیت کی بناء پر جماعت احمدیہ کو جو مسیح موعود کو نبی مانتی ہے گردن زدنی قرار دیا جاتا ہے؟ یہ تو سمجھ میں آسکتا ہے کہ "لاہوری مرزائی" اگر مسیح موعود کو نبی نہیں مانتے تو انہیں اُمت کے متفقہ عقیدہ اور احادیثِ نبویہ کی تصریح کی مخالفت کی وجہ سے زیر الزام لایا جائے مگر جماعت احمدیہ کو کیوں بُرا بھلا کہا جاتا ہے؟ جہاں تک آنے والے مسیح موعود کے نبی ماننے کا سوال ہے وہ اسے اُمتِ محمدیہ کے متفقہ عقیدہ کے مطابق نبی مانتے ہیں انہیں خاتم النبیین کے منکر ٹھہرانے کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ معاذ اللہ اُمتِ محمدیہ ساری کی ساری خاتم النبیین کی منکر رہی ہے! پس عقیدۂ ختم نبوت کا احمدیوں کو انکاری قرار دینا انتہائی ظلم ہے۔ ہاں ان سے حیات و وفات مسیح علیہ السلام پر بحث کی جا سکتی ہے مگر اب تو علماء خود اس کو غیر ضروری قرار دے رہے ہیں بلکہ سمجھدار اور محقق علماء تو وفات مسیح کے قائل ہو رہے ہیں۔

(۱۱) تین اماموں کے مقدس صحابی

شیعہ رسالہ المنتظر لاہور جناب حسین بن سعید اہوازی کے متعلق لکھتا ہے :-

"امام علی نقی علیہ السلام کے حضور
میں طول عمر، پختگی علم، شہرتِ کمال
کے ساتھ ساتھ دربار امام میں حاضر
باش رہنے کی بناء پر تاریخ میں صحابی
حضرت ہادی اور اسی طبقے کے
اصحاب میں شمار کئے گئے اور
امام یازدہم کی صحابیت آپ کا
آخری شرف قرار پائی۔"

(المنتظر ۵ جنوری ۱۹۶۹ء صلا)

الفرقان: مندرجہ بالا اقتباس فاضل مدیر المنتظر نے "تین اماموں کے مقدس صحابی" کے عنوان کے ماتحت شائع فرمایا ہے ہم اسے بلا تبصرہ درج کر رہے ہیں۔

(۱۲) طلوع اسلام اور ہائیکورٹ کا فیصلہ

مدیر ماہنامہ طلوع اسلام لاہور لکھتے ہیں :-

"ہمارے ہاں ایک مسئلہ یہ بھی چلا
آرہا ہے کہ اگر کوئی مسلمان اسلام

چھوڑ کر کوئی اور مذہب اختیار کرے تو
اسے قتل کر دینا چاہیئے۔ ہماری مذہبی پیشوائیت
کے نزدیک "اسلام چھوڑ دینے" سے مراد یہی
نہیں کہ وہ مسلمان کوئی دوسرا مذہب اختیار
کرلے۔ اس سے مراد یہ بھی ہے کہ جس مسلمان
کے متعلق یہ حضرات کہہ دیں کہ اس کے عقائد
صحیح نہیں رہے اور اس طرح اس پر کفر کا
فتویٰ لگا دیں تو اسے بھی مرتد سمجھا جائے گا
اور وہ واجب القتل ہوگا۔"

اس کے بعد مدیر طلوع اسلام نے مغربی پاکستان کی ہائیکورٹ کے فیصلہ مورخہ ۲۲ر جولائی ۱۹۶۸ء درباره writ Petition No: 937—1968 کے حسب ذیل الفاظ نقل کئے ہیں:۔

"جہاں تک ان واقعات کا تعلق ہے
جن میں احمدیوں کو مرتد قرار دیکر قتل کر دیا گیا
تھا ہم اس سلسلہ میں صرف اس قدر کہنا چاہتے
ہیں کہ یہ مذہبی استبداد کی تاسف انگیز
مثالیں ہیں اور اگر انسانی معاملات میں
کوئی خوبی اور شرافت (Decency)
باقی ہے تو انسانی ضمیر کو اسکے خلاف
بغاوت کرنی چاہیئے۔ یہ واقعات صحیح
اسلامی تعلیم اور احکام کے کس قدر خلاف
ہیں۔ اس کی وضاحت سورۂ بقرہ کی آیت
۲۵۶ میں موجود ہے جو نہایت واضح طور
پر مذہبی آزادی کی ضمانت دیتی ہے۔ اس
میں کہا گیا ہے ـــــ لا اکراہ فی الدّین ـــــ
دین کے معاملہ میں کسی قسم کا جبر و اکراہ نہیں۔"

بالآخر فاضل مدیر طلوع اسلام لکھتے ہیں:۔

"ہم قرآن کریم کی سند و حجت کی بنا پر
فیصلہ دینے والے ان جج صاحبان کو مستحق تحسین و
تبریک قرار دیتے ہیں۔"

(طلوع اسلام لاہور دسمبر ۱۹۶۸ء صفحہ ۹-۱۰-۱۱)

الفرقان۔ ہم اس حقیقت کی اشاعت پر فاضل مدیر طلوع اسلام کو مستحق مبارکباد سمجھتے ہیں۔ کاش وہ مزید جرأت سے کام لیکر ہائیکورٹ کے فیصلہ کے دوسرے حصہ کو بھی شائع کر دیتے۔ بہرحال ہم ان کے ممنون ہیں۔

(۱۴) مدیر طلوع اسلام کے سوال کا جواب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظات مطبوعہ پیغام صلح لاہور ۲ر اکتوبر ۱۹۶۸ء کے متعلق مدیر طلوع اسلام لکھتے ہیں:۔

"ان ملفوظات میں یہ تحریر ہے کہ خدا تعالےٰ
فرماتا ہے کہ اگر دنیا بھر میں کوئی گنہگار نہ رہے تو میں
ایک اور اُمت پیدا کروں گا جو گناہ کرے اور میں اسے
بخش دوں۔" (طلوع اسلام دسمبر ۱۹۶۸ء صفحہ ۱۲)

پھر لکھتے ہیں کہ "ہم اسوقت گناہ کی اس فلاسفی کے متعلق بحث کرنا نہیں چاہتے" ہم صرف یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے یہ کہاں فرمایا ہے؟

الفرقان۔ جواباً عرض ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے اس پاک رسول کی معرفت یہ بات فرمائی ہے جس کا مقام وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى میں بیان ہوا ہے (النجم: ۴-۵)

ہمارا مرکزی سالانہ جلسہ

اخبارات کے چند اقتباسات

(بقیہ از ص۳)

کئی حوالے دیئے اور کہا کہ کائنات کی تخلیق کا مقصد ہی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور تھا جنہیں خاتم النبیین کا امتیاز دیا گیا۔ یہ حضورؐ ہی کا خاص امتیاز تھا۔ ان پر اتم الکتاب قرآن مجید نازل ہوا جو تا حشر ہدایت کا سرچشمہ رہے گا۔ آپ نے کہا قرآن کریم کے ارشادات ہی سے آنحضرتؐ نے خدا کی حقیقی بزرگی کا صحیح احساس دلایا اور نوعِ انسان کو تمام اعلیٰ انسانی قدریں سکھلائیں۔ مرزا ناصر احمد نے کہا کہ دنیا میں تمام پیغمبروں کا نزول بھی خاتم النبیینؐ کے ظہور کی وجہ سے تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ظہور مسلمانوں کے لئے تا قیامت ایک مسلسل عید بنا رہے گا۔ آپ نے آخیر میں آزادیٔ کشمیر اور پاکستان کے اتحاد و استحکام کے لئے دعا کی اور کہا کہ اگر خدانخواستہ اس موقعہ پر پاکستان کو کسی قسم کا نقصان پہنچا تو وہ ساری دنیائے اسلام کے حق میں نقصان دہ ثابت ہوگا۔"

(روزنامہ نوائے وقت ۳۰ دسمبر ۱۹۶۸ء)

بھارت کے دُور کے علاقوں کیرنگ اڑیسہ اور مالابار کے غریب احمدیوں کے آنے اور جانے کا نظارہ خاص طور پر درد انگیز تھا۔ وہ محسوس کرتے تھے کہ نہ معلوم ہم دوبارہ کب اپنے امام ایدہ اللہ بنصرہ کی زیارت کر سکیں گے۔ ان دونوں علاقوں کے احمدیوں نے درخواست کر کے حضور ایدہ اللہ بنصرہ کے ساتھ یادگاری فوٹو بھی کھچوائے جنہیں ہم دوسری جگہ اس محبت کی یاد میں شائع کر رہے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جملہ احباب کو اپنے فضلوں اور اپنی برکتوں سے ہمیشہ نوازتا رہے اور غلبۂ اسلام کے اپنے وعدوں کو جلد تر پورا فرمائے۔ اللّٰھم آمین یا رب العالمین ✣

شذرات (بقیہ ص۱۵)

اس کا حوالہ درج ذیل ہے:۔

(۱) سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لولا انکم تذنبون لخلق اللہ خلقاً یذنبون یغفر لھم۔

ترجمہ: حضرت ابو ایوبؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا حضورؐ نے فرمایا اگر تمہارے گناہ نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ اور ایسی مخلوق پیدا کرے گا جو گناہ کریں گے اور خدا اغفار انہیں بخشے گا۔

(۲) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہٖ لو لم تذنبوا لذھب اللہ بکم ولجاء بقوم یذنبون فیستغفرون اللہ فیغفر لھم۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہاری بجائے ایسے لوگوں کو لے آئیگا جو گناہ کریں گے بعد اس سے استغفار کریں گے اور وہ ان کو بخشے گا۔

(صحیح مسلم جلد ۲ کتاب التوبہ)

اب ہم انتظار کریں گے کہ جناب پرویز اس کا کیا جواب دیتے ہیں ان کے جواب کے بعد مفصل بحث ہوگی انشاء اللہ ✣

اشاعتِ اسلام کے ذرائع

دَورِ اوّل اور دَورِ ثانی میں اشاعت کا ایک جائزہ

(جناب مولانا محمد منوّر صاحب فاضل مشرقی افریقہ)

اسلام ایسا دین ہے جو اپنی ذات میں پھیلنے کی تمام استعدادیں رکھتا ہے۔ خدا تعالیٰ اس کی حفاظت کا ضامن اور اس کا حامی و مددگار ہے۔ اس کی تعلیم انسانی فطرت کے مطابق اور انسانی پیدائش کی غرض کو آسان ترین طریق پر پورا کرنے والی ہے۔ انسانی عقل اس سے رہنمائی حاصل کرتی اور انسانی روح اس سے جلا پاتی ہے۔ اسلام کی کتاب قرآن مجید ہے جو خدائی قدرت و علم کا بے نظیر مرقع اور اس کی جلالی و جمالی صفات کا آئینہ دار ہے۔ اسلام کے بانی صلی اللہ علیہ وسلم نسلِ انسانی کے دائمی راہبر اور خدائی صفات کے مظہرِ کامل ہیں۔ آپ نے اپنے قول و فعل سے اسلامی تعلیم کی بہترین تشریح فرمائی اور کسی پہلو کو تشنۂ تکمیل نہ چھوڑا۔

دعویٰ نبوت فرمانے کے بعد جب مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت پیدا ہو گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اخلاقی و روحانی تربیت شروع فرمائی اور اسلام کی اشاعت کے رازوں سے انہیں آگاہ کیا۔ آپ کے لائق شاگرد ان باتوں کو سنتے، یاد کرتے اور ان پر عمل کرتے رہے اور خدائی نصرت و تائید کے نتیجہ میں مسلمانوں کا گروہ روز بروز بڑھتا گیا۔ مکی زندگی میں صبر و استقامت کا سبق پڑھایا گیا۔ صحابہؓ ماریں کھاتے مگر ان کے پائے استقلال میں لغزش نہ آتی۔ ان کے جسم دشمنوں کے مظالم سہتے مگر ان کی زبانیں خدائے واحد کی توحید کا اعلان کرتی رہتیں۔ یہ سبق اتنا اہم اور بنیادی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی اور معیت میں صحابہؓ نے اسے کئی سال تک دہرایا۔ جب صحابہؓ میں ایمانی اور عملی پختگی پیدا ہو گئی اور صبر و تحمل پر مداومت کی وجہ سے وہ بلند حوصلگی، خود اعتمادی، راست گفتاری اور دیانت و امانت ایسے اعلیٰ اخلاق سے مزین ہو گئے تو انہیں دوسرا سبق پڑھایا گیا۔ وہ سبق گھر بار سے ہجرت کا تھا۔ خدا تعالیٰ اور اس کے دین سے انہیں ایسی وابستگی ہو گئی تھی کہ وہ برضا و رغبت مکہ مکرمہ چھوڑ کر حبشہ چلے گئے۔ اس کے بعد یثرب کی طرف ہجرت کی باری آئی۔ مومنین جذبۂ قربانی سے سرشار ہو کر اپنے املاک و اموال سے جدا ہو گئے اور ایسے جدا ہو گئے کہ ان میں سے بہتوں نے اپنی باقی عمر پردیس ہی میں گزار دی۔ اس قربانی میں عورتیں

بھی مردوں کے دوش بدوش رہیں اور جاں نثاری کے زندہ جاوید نمونے دکھائے۔

مدینہ منورہ جا کر اشاعتِ اسلام کی مساعی میں تیزی اور وسعت پیدا ہوگئی اسلئے جماعتِ مومنین کی از سرِ نو تنظیم کی ضرورت پیش آئی۔ یہاں بنیادی چیز مسلمانوں کی باہمی مودّت و محبت تھی۔ اگر وہ ارتباط و استحکام میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کا نظارہ پیش نہ کرتے تو دشمن ان کی صفوں میں انتشار پیدا کر دیتا اور اندرونی چپقلش و خلفشار دشمن کے بیرونی حملہ سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار میں باہمی تعلق اخوت پیدا کرنے کا یہ مثالی طریق اختیار فرمایا کہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے آنے والے ایک مسلمان کو مدینہ طیبہ میں رہنے والے ایک مسلمان کے سپرد کیا اور اسے اس کی امداد اور نگہداشت کا ذمہ دار قرار دیا۔ اس کے بعد جانی قربانی کا نمبر آیا اور اسلام کی حفاظت کے لئے مسلمانوں کو میدانِ جنگ میں جامِ شہادت پینا پڑا۔ جنگوں میں مالی قربانی کا معیار بھی خاصہ بلند ہو جاتا ہے کفار کے لشکر جوں جوں تعداد اور قوت میں بڑھتے جا رہے تھے مسلمانوں کا جانبازی اور سرفروشی کا جذبہ بھی اسی نسبت سے بڑھتا جاتا تھا اور ہر مٹھ بھیڑ کے وقت دشمن یہ محسوس کرتا کہ اس کی طاقت کم اور مسلمانوں کی طاقت مقابلۃً زیادہ ہے۔

اس دوران میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو تعلیم کی طرف متوجہ فرمایا اور کفار میں سے خواندہ قیدیوں کو مسلمانوں کی تعلیم کا حکم دیا تاکہ وہ باطنی علم کے ساتھ ساتھ ظاہری علم سے بھی مستفید ہوں۔ پھر جب ضرورت پیش آتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کو مربی اور معلم کے طور پر دوسرے قبائل میں بھجواتے جو انہیں قرآن مجید سکھاتے اور اسلامی تعلیم کے عملی پہلوؤں سے آگاہ کرتے

اسلامی معاشرہ کو پاکیزگی اور طہارت کی بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے ارشادِ ربانی کی تعمیل میں پردہ کا حکم دیا گیا۔ مردوں کو ارشاد تھا کہ زنان خانہ میں بغیر اجازت داخل نہ ہوں اور عورتوں کو ہدایت تھی کہ گھر سے باہر آتے وقت اپنی ظاہری اور جسمانی زینت کو چھپا لیں۔ عورتوں اور مردوں کو غضِ بصر کا تاکیدی ارشاد تھا تاکہ نظریں پاک رہیں اور دلوں کو پاکیزہ رکھیں۔

عبادات اور دعاؤں میں صحابہؓ کو خاص شغف ہو گیا تھا۔ سید الساجدین صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی نمونہ اس لحاظ سے بھی بے نظیر اور حیران کن تھا۔ میدانِ جنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت الحاح و زاری سے دعائیں کرتے اور یہ والہانہ دعائیں مخالف حالات میں نصرتِ الٰہی کو زمین پر کھینچ لاتیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس نمونہ پر بھی فدائیانہ شان کے ساتھ عمل کیا اور بعض وقت جب دشمن ان کو شہید کرنے کا فیصلہ سُناتا تو اس وقت بھی وہ نوافل کی اجازت طلب کرتے اور جلاد کی تلوار گرنے سے چند لمحات قبل بھی ان کو عبادت میں یکسوئی حاصل ہو جاتی۔

جب جنگوں سے فراغت ہوئی اور عرب میں امن وصلح کی فضا پیدا ہوگئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسی فرمانرواؤں کو تبلیغی مکتوب روانہ فرمائے اور انہیں اسلام کی طرف بلایا۔ گویا دعویٰ نبوّت سے لے کر وفات تک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اشاعتِ اسلام میں مصروف رہے اور اس کے لئے اندرونی اور بیرونی تمام ذرائع اختیار فرمائے۔ دعوت الی الاسلام میں نہ عربی و عجمی کا امتیاز تھا، نہ غریب اور امیر کا۔ مشرکوں اور بُت پرستوں سے بھی تبادلۂ خیالات فرمایا اور یہودیوں اور عیسائیوں سے بھی مذہبی بحث فرمائی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلفائے راشدین نے اشاعتِ اسلام کے لئے مساعی جاری رکھیں۔ بعد ازاں جب مسلمانوں کی کمزوری اور دنیاداری کے باعث خلافتِ راشدہ کا بابرکت نظام ختم ہوگیا تو مسلمان انفرادی طور پر اشاعتِ اسلام کے فریضہ میں مصروف رہے۔ گزشتہ تیرہ صدیوں میں ہر ملک اور ہر طبقہ کے مسلمانوں نے اپنے اپنے رنگ میں اسلام کو دوسروں تک پہنچانے کا کام کیا اور انہی مساعی کا نتیجہ ہے کہ آج اسلام کے نام لیوا دنیا کی کُل آبادی کا چھٹا حصہ ہیں۔ بعض لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں دکھائی دیئے اور ارشاد فرمایا کہ فلاں ملک میں جاکر کفر و شرک کو مٹائیں اور اسلامی توحید پھیلائیں۔ علمائے ربّانی اور اولیاء نے تائیدِ ایزدی سے، عقلی و روحانی دلائل اور معجزات و کرامات سے، لوگوں کے قلوب میں اسلام کا نور پیدا کیا۔ نیک دل مسلمان فرمانرواؤں نے حسنِ اخلاق اور اچھے برتاؤ سے اپنی غیر مسلم رعایا کو اسلام کے لئے فتح کیا۔ مسلمان تجار نے اپنے کاروبار کے سلسلہ میں شہروں اور بستیوں کا رُخ کیا اور اپنے کام کے ساتھ ساتھ اسلام کی پاکیزہ تعلیم بھی بے دھڑک پھیلاتے رہے اور بہتوں کی ہدایت کا موجب بنے۔ خاص طور پر ادنیٰ اور پسماندہ اقوام نے اس نئے دین کی تعلیمات کو ترقی کا زینہ سمجھ کر اپنایا اور دین و دنیا میں عزّت و سرخروئی حاصل کی۔ اخوت اور مساوات کی تعلیم غلاموں اور لونڈیوں کے لئے خاص جاذبیت رکھتی تھی اور وہ اسے ایک گوہرِ نایاب سمجھتے ہوئے اسی کے ہو رہے۔ مسلمان قیدیوں نے اپنے قید خانہ کے ساتھیوں کو اسلام کی بے مثال تعلیم سے روشناس کرایا اور انہیں کفر و شرک اور توہمات و بد رسومات کے بندھنوں سے آزاد کر دیا۔ عورتوں نے اپنے خاوندوں کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب دلائی اور اپنے بچّوں کو اسلام پر قربان ہونے کا سبق ذہن نشین کرایا اور وہ ساری عمر اسلام کے جاں نثار سپاہی بن کر اسلام کی اشاعت میں کمربستہ رہے۔

ٹامس آرنلڈ نے انیسویں صدی عیسوی کے آخر میں ایک کتاب THE PREACHING OF ISLAM لکھی ہے۔ اس میں انہوں نے اسلام کی گزشتہ صدیوں کی تاریخ پر نظر ڈالی ہے اور ثابت کیا ہے کہ اسلام اپنی تعلیم کی عمدگی، مسلمانوں کے ہمدردانہ

سلوک اور اسلامی معاشرہ کی بہتری کی وجہ سے پھیلا ہے۔ انہوں نے تاریخی شواہد پیش کرکے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اسلام کی اشاعت تلوار یا جنگ کی مرہونِ منت نہیں۔ اور اگر کہیں مسلمانوں نے سختی اور تشدد سے کام لیا ہے تو وہ اسلامی تعلیم سے ناواقفیت یا دُوری کی وجہ سے ہے کیونکہ اسلام اور بانیٔ اسلام نے کہیں بھی دین میں جبر کی اجازت نہیں دی بلکہ اس سے واضح الفاظ میں روکا ہے اور صاف ہدایت دی ہے کہ لوگوں کو حکمت اور موعظہ حسنہ کے ذریعہ اسلام کی طرف بُلایا جائے اور ان سے اچھے رنگ میں، اور معقول و مضبوط دلائل پیش کرکے مذہبی گفتگو کی جائے۔ اِس کتاب کے تیسرے ایڈیشن کے ص۴۴ پر وہ لکھتے ہیں :-

"Thus, from the
very beginning,
Islam bears the
stamp of a mission-
ary religion that
seeks to win
the hearts of man,
to convert them
and persuade them
to enter the brother-
hood of the faith-
ful; and as it was
in the beginning,
So has it continued,
to be up to the
present day."

ص۲۲۶ پر آرنلڈ صاحب لکھتے ہیں کہ اگرچہ بہت سے لوگوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اسلام کی روحانی قوت سیاسی طاقت کے بغیر نتیجہ خیز نہیں ہوسکتی۔ تاہم ایسا خیال درست نہیں بلکہ اس کے برعکس یہ نظر آتا ہے کہ جب مسلمان سیاسی طاقت اور مادی ترقی سے محروم ہوگئے تو ان میں ایسی لطیف روحانی صفات اُبھر آئیں جو تبلیغی کاوش کی جان ہوتی ہیں۔ پھر ص۲۲۷ پر اسی ضمن میں لکھتے ہیں :-

"Islam has learned
the uses of adversity,
and so far from
a decline in worldly
prosperity being a
presage of the decay
of this faith, it is
significant that
those very Muslim
countries that have
been longest under
Christian rule show
themselves most
active in the work

of proselytising. The Indian and Malay Muhammadans display a zeal and enthusiasm for the spread of the faith, which one looks for in vain in Turkey or Morocco."

یعنی اسلام مصائب کے فوائد سے آگاہ ہے اسلئے دنیوی ترقی کا زوال اس مذہب کے زوال کی علامت نہیں بلکہ یہ امر نمایاں طور پر نظر آرہا ہے کہ جو مسلمان ممالک بہت لمبے عرصہ تک عیسائی حکومت کے ماتحت رہے ہیں وہ لوگوں کو مسلمان بنانے میں پیش پیش ہیں۔ ہندوستانی اور ملائی مسلمان اسلام کی اشاعت کے لئے اس جذبہ اور شوق کا اظہار کر رہے ہیں جس کی ترکی اور مراکش میں تلاش عبث ہے۔"

اشاعتِ اسلام کے کام کے اِس مختصر جائزہ سے ظاہر ہے کہ ماضی میں اسلام نے ہر ملک و قوم کے لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کیا ہے۔ ہر مسلمان اپنی حیثیت، علم اور درجہ کے مطابق اپنے آپ کو اشاعتِ اسلام کا ذمہ دار سمجھتا تھا۔ اس کی اپنی ایمانی یا عملی حالت کتنی ہی کمزور کیوں نہ ہو لیکن اس کی روحانی خوشی انتہا کو پہنچ جاتی تھی جب وہ غیر مسلموں کو اسلام میں داخل ہوتا دیکھتا تھا۔ اور یہ خوشی نقطہ عروج پر اُس وقت پہنچتی تھی جب ایسا کام خود اس کے اپنے ہاتھوں سے انجام پاتا تھا۔ امید کی جا سکتی ہے کہ یہ جذبہ اور شوق اُس وقت تک ٹھنڈا نہیں ہوگا جب تک کہ وہ سارے لوگ جو اسلام سے باہر ہیں اس فطری دین کی آغوش میں پناہ نہیں لے لیتے۔

یہ امر بہت ہی ایمان افروز ہے کہ جب انیسویں صدی عیسوی کے اواخر میں عیسائیوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ تربیت یافتہ عیسائی مناد غیر ممالک میں بھجوائیں جو لوگوں کو عیسائیت کی طرف دعوت دیں تو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی اشاعت کے لئے جماعت احمدیہ کو کھڑا کر دیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں چشمِ فلک نے یہ نظارہ دیکھا کہ پہلے ہندوستان اور پھر پاکستان سے بھی احمدی مبلغین غیر ممالک میں جانے لگے اور اب بہت سے بیرونی ممالک میں اشاعتِ اسلام کے مراکز قائم ہو چکے ہیں۔ اشاعتِ اسلام کے مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے جماعت احمدیہ کو چاہیئے تھا کہ وہ اسی طریقِ کار کو اپناتی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے مقدس خلفاء کا تھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور احمدی مسلمانوں کو جماعت احمدیہ کے بانی سیدنا حضرت میرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہی سبق پھر سے پڑھایا جو سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کو پڑھاتے رہے تھے۔ جماعت احمدیہ میں بلا کا صبر و تحمل پایا جاتا ہے۔ اپنے گھر بار اور مال و جائیداد کو خدا تعالیٰ کے دین کے لئے قربان کرنے کے لئے وہ ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ ضرورت پڑنے پر وہ جان دے دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ قرآن و حدیث پڑھنا پڑھانا

ان کا شیوہ ہے۔ دعاؤں اور عبادتوں میں وہ ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔ باہمی محبت و تعاون میں وہ کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ احمدی عورتوں اور بچوں میں اسلام سے محبت کا وہی جذبہ پایا جاتا ہے جو ان کے اسلاف میں تھا۔ خلافتِ ثانیہ کے ماتحت جماعت کی اندرونی تنظیم اور بیرونی تبلیغ کی مضبوط بنیاد رکھی جا چکی ہے۔

قرنِ اوّل کے مسلمانوں کو خلافت کی جو نعمت حاصل تھی وہ ہمیں پھر حاصل ہو چکی ہے اور نظامِ خلافت سے وابستگی اور وفاداری ہمارے جسم و جان کے ذرّہ ذرّہ میں رچ چکی ہے۔ اب خلافتِ ثالثہ کے بابرکت عہد میں جماعت کو زیادہ بڑی مالی قربانیوں کی طرف لایا جا رہا ہے تسبیح و تحمید اور استغفار زیادہ کثرت سے کرنے کی نصیحت کی جا رہی ہے اور وقفِ عارضی کی سکیم کے ماتحت ہر مخلص احمدی کو اس کی ذمہ داری کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے جو اُمتِ محمدیہ کا فرد ہونے کے لحاظ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی صورت میں اس پر عائد ہوتی ہے۔ اس مفید سکیم کے نتیجہ میں جماعت میں یہ احساس پیدا ہو رہا ہے کہ موجودہ طریق پر چند مبلغین رکھ لینے سے وہ کام تکمیل نہیں پا سکتا جس میں ہر فردِ جماعت کی شمولیت ضروری ہے۔

گزشتہ صدیوں میں مسلمانوں سے جو کوتاہیاں ہوئی ہیں اب اُن کے ازالہ کا موقع اللہ تعالیٰ نے ہم کو پہنچا دیا ہے۔ گزشتہ صدیوں میں مسلمان انفرادی طور پر تبلیغ و ہدایت کا کام کرتے رہے اور اسے باقاعدہ منظم شعبہ کی صورت نہ دی گئی جس کی وجہ سے اشاعتِ اسلام کا کام مرکزیت کی برکات سے محروم رہا۔ پھر مسلمانوں کے باہمی اختلافات نے ایسی صورت اختیار کر لی کہ وہ خلافتِ راشدہ کی نعمت سے بھی محروم ہو گئے اور خلفاء کی جگہ سلاطین و امراء نے لے لی لیکن باہمی رقابت نے یہاں بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا اور مسلمان بادشاہوں نے ایک دوسرے کے خلاف غیر مسلم حکمرانوں سے اتحاد کر لیا جس کا نتیجہ ساری اُمتِ مرحومہ اب تک اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے۔ اس لحاظ سے موجودہ زمانہ کچھ کم بھیانک اور خوفناک نہیں ہے۔ دنیا کے سارے مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ ازسرِ نو اپنی حالت کا جائزہ لیں اور اختلاف کی بجائے اتحاد اور بدنظمی کی بجائے تنظیم کی طرف قدم بڑھائیں۔ سیاست کی بجائے دین کو مقدم کریں اور قومیت کے نعرہ کی بجائے مذہبیت کا نعرہ بلند کریں۔ رنگ و نسل اور ملکی و قبائلی رجحانات کے جھنڈے سرنگوں کریں اور وحدتِ اسلامی کا عالمگیر جھنڈا پورے اتحاد اور کامل یقین کے ساتھ ہوا میں لہرائیں اور اس راستے میں جتنی بھی روکیں آئیں انہیں عقل و تدبر سے دُور کرنے کی کوشش کریں۔ اسی میں مسلمانوں کی بلکہ ساری دنیا کی سلامتی اور بقاء کا راز مضمر ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے ماتحت یہ زمانہ مذہب کے نام پر جنگوں کا نہیں اسلئے جو کام دفاعِ اسلام کا گزشتہ صدیوں میں تلوار نے کیا وہ اب قلم کے ذریعہ ہوگا۔ مسلمانوں کی بہبودی اور اسلام کی ترقی کے لئے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس نکتہ کو بار بار پیش فرمایا اور اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے علم پا کر اسلامی تعلیم کی حسین اور دلکش تشریح پیش کر کے لوگوں کو اسلام کی طرف بلایا۔ مقامِ شکر ہے کہ بہت سے مسلمان مفکّر اور مصنف

اس تشریح کو اپناتے چلے جا رہے ہیں اور مسلم و غیر مسلم اس سے متاثر ہو رہے ہیں۔ اسلام کے متعلق مغربی مصنفین کا انداز فکر بھی نمایاں تبدیلی کی غمازی کر رہا ہے۔ یہ تبدیلی اگر اسی نہج پر جاری رہی تو مستقبل قریب میں خوش آئند فکری انقلاب کی توقع بے محل نہ ہوگی۔

جیسا کہ اُوپر عرض کیا جا چکا ہے جماعت احمدیہ اسلامی اقدار کو منصۂ شہود پر لانے کے لئے کوشاں ہے لیکن یہ مساعی بالعموم اپنے ابتدائی مراحل پر ہیں اور ان میں عظیم الشان ترقی کی گنجائش ہے۔ نہ صرف گنجائش ہے بلکہ ان مساعی کو تیز تر کرنا منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے ازبس ضروری ہے۔ ورنہ خطرہ ہے کہ یہ بیج آبیاری اور نگہداشت میں کمی کے باعث پنپنے کی صلاحیت نہ کھو بیٹھے۔ فوری طور پر جن باتوں کی اس وقت ضرورت محسوس ہو رہی ہے وہ سات ہیں اور انہیں ترتیب وار یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

سب سے پہلا نمبر تعلیم کا ہے۔ اسلام اور قرآن مجید کی جو تشریح الہام الٰہی کے ماتحت اس زمانہ میں کی گئی ہے احمدی بچوں اور نو احمدیوں کا حق ہے کہ انہیں اس سے بالتفصیل روشناس کرایا جائے۔ سکولوں اور کالجوں میں ایسے ترقی یافتہ نصاب جاری کئے جائیں جن کا پڑھنا اور یاد کرنا لازمی ہو۔ اور سکولوں سے باہر بھی نئے شامل ہونے والوں کے لئے اس تعلیم کا انتظام کیا جائے۔ اس تعلیم کی ضرورت دائمی ہے اور کسی وقت بھی اس سے غافل ہو جانا ہلاکت کے مترادف ہے۔ ہر احمدی مرد و عورت اسلامی تعلیم سے آگاہ اور اسلام کو دیگر ادیان کے مقابلہ میں فائق اور بہتر ثابت کرنے کی اہلیت رکھتا ہو۔

دوسرے درجہ پر ہمیں مبلّغین کی تیاری کی ضرورت ہے۔ ہمارے موجودہ تفصیلی اور طویل نصاب کے علاوہ مختصر اور ضروری نصاب کی اشد ضرورت ہے جو ڈیڑھ دو سال میں ایک ذہین اور مخلص نوجوان کو تبلیغ کے قابل بنا دے۔ یہ درست ہے کہ بیرونی ممالک میں ہم نے تبلیغ اسلام کا بیج بو دیا ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بہت سے ممالک کے لئے ابھی ہم بیج بھی مہیا نہیں کر سکے۔ افریقہ کا علاقہ خاص طور پر ہماری فوری توجہ کا مستحق ہے۔ یہ سارا برِاعظم روحانی انقلاب کے لئے تیار ہے۔ اہلِ افریقہ کی اسلام کے لئے پیاس بڑھتی جا رہی ہے۔ اس کا علاج صرف اور صرف یہ ہے کہ ہم مخلص اور قابل نوجوانوں کی ایک فوج ان تشنہ لب علاقوں کی طرف روانہ کریں جو مبلّغین کا مطالبہ کر رہے ہیں اور جہاں کامیابی کی قوی امید ہے۔

تیسرے درجہ پر ہمیں دارالمصنّفین میں اضافہ کی ضرورت ہے۔ آسمان سے نازل شدہ علوم کی روشنی میں چھوٹی اور بڑی کتب کی کثیر تعداد میں تصنیف ضروری ہے جو ایک طرف اسلام کی حقیقی تصویر پیش کریں اور دوسری طرف موجودہ باطل فکری اور اعتقادی اور عملی رجحانات کا قلع قمع کریں۔ جماعت کے اپنے افراد کی تعلیم و تربیت کے لئے نصاب تیار کرنا اس ادارہ کے ذمہ ہو اور جو بھی تصانیف ہوں ان کا ظاہری اور باطنی معیار اعلیٰ اور فائق ہو۔ دارالمصنّفین کے

ماتحت ایک شعبہ تراجم کا ہو جو ضروری کتب کا ترجمہ مختلف زبانوں میں مہیا کرتا رہے۔ قرآن مجید، سیرت نبویؐ، احادیث اور اسلامی اخلاق پر کتب کے تراجم کو فوقیت دی جائے تاکہ اسلام کی فکری اور عملی تصویر ہر ملک کے باشندوں تک پہنچ جائے۔

چوتھے درجہ پر ایک ادارۂ اطلاعات کے قیام کی ضرورت ہے۔ پادری لنڈن۔ پی۔ ہیری نے اپنی کتاب "اسلام اِن ایسٹ افریقہ" میں لکھا ہے کہ اسلامی دنیا میں اس وقت احمدیوں سے بڑھ کر کوئی پراپیگنڈا کرنے والی جماعت موجود نہیں لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ہم نے اس مقصد کے لئے اب تک کوئی مستقل ادارہ قائم نہیں کیا۔ ہماری جماعت اشاعتِ اسلام کے لئے جو کام کر رہی ہے اس کی تصاویر تیار کر کے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے پیش کرنا ازحد مفید ہو سکتا ہے۔ سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے گزشتہ سال یورپ کا جو تاریخی دورہ کیا ہے اس کی فلم تیار کرنا تبلیغی، تعلیمی اور تربیتی لحاظ سے بہت ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جماعتی اجتماعات، تقاریب، مساجد، عمارات، سکول، کالج اور ہسپتال وغیرہ کی تصاویر بھی لوگوں کے لئے جاذبِ توجہ ہو سکتی ہیں۔ احمدیوں میں سے جو لوگ حج پر جاتے ہیں ان کی تصاویر بھی شامل کی جا سکتی ہیں۔ اس قسم کی تصاویر پر مشتمل ایک Mobile Unit مہیا کیا جائے جو سارے ملک میں دورہ کرے اور اپنوں اور غیروں کو یہی اور دستاویزی تصاویر دکھائے اور ان کی معلومات وسیع کرے۔ قلبِ انسانی آنکھوں دیکھی چیز سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ فرضی اور جھوٹے قصے بھی دیرپا اثر رکھتے ہیں۔ حقیقت پر مبنی اور ثقہ معلومات کو اس رنگ میں پیش کرنا یقیناً بہت گہرا اثر پیدا کرے گا۔

پانچویں درجہ پر پریس کی توسیع ہے۔ ہم جسقدر کتب، اشتہارات یا اخبارات وغیرہ اس وقت چھپواتے ہیں ان کے لئے مرکز میں ایک مضبوط اور اچھے چھاپہ خانہ کی ضرورت ہے۔ اور جو نئے کام اوپر تجویز کئے گئے ہیں ان کے لئے اس قسم کے جدید اور اعلیٰ پایہ کے پریس کا ہونا لابدی ہے۔

چھٹے درجہ پر مالی قربانی میں اضافہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جماعت کا قربانی کا معیار خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت بلند ہے تاہم منزلِ مقصود کو قریب تر لانے اور اسلام کے پیغام کو سرعت اور وسعت سے پھیلانے کے لئے مزید قربانیوں کی ضرورت ہوگی۔ ہماری جماعت میں کئی ذی ثروت اصحاب ایسے ہیں جو اکیلے ہی عظیم الشان خدمات بجا لا سکتے ہیں۔ پھر طبائع بھی مختلف ہوتی ہیں۔ بعض دوست تعلیم کے لئے بڑی قربانی کرنا پسند کریں گے اور بعض نئے مبلغین کی تیاری کے لئے۔ بعض لٹریچر کی اشاعت میں زیادہ دلچسپی لیں گے اور بعض Mobile Unit کے مہیا کرنے میں۔ اس طرح اگر خدا تعالیٰ چاہے تو چند دوستوں کی توجہ ہی سے بڑے بڑے اہم کام تکمیل پذیر ہو سکتے ہیں۔

ساتواں درجہ اسلامی معاشرہ کے قیام کا ہے یعنی ہر احمدی اسلامی شریعت کی بہ تمام و کمال پابندی کی طرف توجہ دے اور اس امر کا تہیہ کر لے کہ وہ کسی بھی حالت میں قرآن و حدیث کی تعلیم سے ظاہراً یا باطناً اعراض نہیں کرے گا اور اس راستہ میں جس قدر بھی مشکلات پیش آئیں گی انہیں وہ خندہ پیشانی سے برداشت کرے گا۔ اہمیت کے لحاظ سے یہ بات باقی تمام تجاویز کی نسبت مقدّم سمجھے جانے کے قابل ہے۔ کیونکہ ذاتی نمونہ کا جو اثر ہے وہ محض علمی یا عقلی دلائل سے پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ غیر مسلم جب دلائل کی بحث میں عاجز آجاتے ہیں تو ان کا آخری حربہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اسلامی نظام کی عملی صورت دیکھنے کا مطالبہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر اسلامی تعلیم واقعی قابلِ عمل ہے اور اس کے ذریعہ سے بنی نوع انسان کی مشکلات کو حل کیا جا سکتا ہے تو ہمیں وہ معاشرہ دکھایا جائے جو اس تعلیم پر عمل کر رہا ہو۔ ماضی کا حوالہ انسانی قلب کو پوری تسلی نہیں بخش سکتا اور ہر شخص ایک ممکن العمل کام کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرنے کا متمنی ہوتا ہے۔ اسلئے اشاعتِ اسلام کا سب سے قوی اور موثر ترین ذریعہ یہ ہے کہ اسلامی تعلیم کا نقشہ عملی طور پر پیش کر دیا جائے۔ اگر مسلمان صداقت و دیانت کو اختیار کر لیں، اپنے معاملات میں صفائی اختیار کریں اور تجارتی اور کاروباری امور میں راستی اور انصاف کو اپنا شعار بنائیں تو اسلام کو بہت جلد ترقی حاصل ہو سکتی ہے۔

جماعت احمدیہ کا دعویٰ ہے کہ وہ اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کے لئے کھڑی کی گئی ہے اسلئے کم از کم ہمارے مرکز ربوہ میں اسلامی معاشرہ کی تشکیل سَو فی صدی مکمل ہو جانی چاہیئے۔ تا یہاں آنے والا ہر انسان اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر سکے کہ اسلامی زندگی کیا ہے اور اسلامی ماحول کیسا ہونا چاہیئے۔ ہمارے ملازم، ہمارے افسر، ہمارے تاجر، ہمارے مزدور، ہمارے بچے، جوان اور بوڑھے غرضیکہ ہم میں سے ہر ایک انسان ظاہری و باطنی طور پر اسلامی اقدار کا حامل اور اسلامی احکام پر عامل ہو۔ سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز نے اس طرف توجہ مبذول فرمائی ہے اور حضور نے ربوہ کی صفائی اور اخلاقی اصلاح کی طرف اہالیانِ ربوہ کو توجہ دلائی ہے۔ اللہ تعالےٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم حضور کے تمام ارشادات کو صحیح معنوں میں پورا کرنے والے اور حضور کی تمام تحریکات پر جو اب تک حضور نے فرمائی ہیں یا آئندہ فرمائیں گے عمل کرنے والے ہوں۔ تا خدا تعالیٰ کی برکتیں اور اس کے فضل ہم پر انفرادی اور جماعتی طور پر نازل ہوتے رہیں اور اسلام قیامت تک ساری دنیا پر غالب رہے۔ و اٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین ٭

رہبانیت انسانی فطرت کے خلاف ہے

لندن ٹائمز میں ایک کیتھولک پادری کا مقالہ

(ترجمہ جناب شاہد جمیل صاحب ناظم آباد کراچی)

"قانونِ رہبانیت انسانی فطرت کے خلاف ہے عیسائی پادریوں پر ان کی مرضی کے بغیر اس قانون کا اطلاق کیا جاتا ہے حالانکہ حضرت مسیح یا ان کے حواریوں نے رہبانیت کو کبھی بطور قانون نافذ کرنے کی ہدایت نہیں کی۔ یہ ایک ظالمانہ قانون ہے اور اسے ختم کر دینا چاہیئے۔"

یہ مطالبہ ایک کیتھولک پادری نے اپنے ایک طویل مضمون میں کیا ہے جو انگلستان کے مشہور اخبار ٹائمز (Times) لندن ۱۴ دسمبر ۱۹۶۸ء میں شائع ہوا ہے۔ اس مضمون کا ترجمہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ پادری صاحب لکھتے ہیں:-

"مغربی طرزِ فکر کے کیتھولک چرچ کے عقیدہ کے مطابق ایک پادری کے لئے لازمی ہے کہ وہ رہبانیت کی زندگی بسر کرے، بصورتِ دیگر اسے چرچ سے علیحدگی اختیار کرنی پڑتی ہے۔ ایک ایسے چرچ سے جس سے وہ والہانہ محبت کرتا ہے اور اسے مسیح اور کنواری مریم کا حقیقی مذہب سمجھتا ہے۔

اگرچہ حضرت مسیح اور سینٹ پال نے غیر مبہم طور پر رہبانیت کی تلقین کی ہے لیکن یہ تلقین بھی صرف انہی لوگوں کے لئے ہے جو کہ رضاکارانہ طور پر اسے اختیار کرنا چاہتے ہوں اور سمجھتے ہوں کہ وہ غیر متاہل زندگی بسر کرنے کی قوت رکھتے ہیں۔ ورنہ نہ تو حضرت مسیح نے اور نہ ہی سینٹ پال یا کسی اور حواری نے اسے لازمی قرار دیا ہے۔ اس کے برعکس انہوں نے انتہائی واضح الفاظ میں اسے ایک رضاکارانہ فعل قرار دیا ہے۔ کیونکہ اگر مذہب خالق اور اس کے بندوں کے درمیان ایک رشتۂ الفت کا نام ہے تو پھر اس رشتہ کا بندھن اور اس کی استواری لازمی طور پر آزادانہ اور انسان کے اندرونی جذبۂ روحانیت کے تحت ہونا چاہیئے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا الفت و محبت کو جبراً دلوں پر مسلط کیا جا سکتا ہے؟

حقیقی رہبانیت خدا تعالیٰ کے حضور مکمل

اور غیر مشروط اطاعت کا نام ہے اسے آپ ایک روحانی شادی کا نام بھی دے سکتے یا آپ اسے خدا تعالیٰ سے انسان کی محبت کا کمال بھی کہہ سکتے ہیں بشرطیکہ اسے اختیار کرنے والا مرد یا عورت خدا تعالیٰ سے جس کی وہ عبادت کرتا ہے اور جسے وہ دیکھ تو نہیں سکتا لیکن اپنی عبادت میں اسے اپنے پاس موجود پاتا ہے اس محبت کے کمال کو حاصل کرنے کے لئے رضاکارانہ طور پر شادی سے پرہیز کرتا ہے لیکن جب یہ حقیقت ہے کہ جبر سے محبت کو حاصل نہیں کیا جا سکتا تو پھر کیتھولک چرچ کے کرتا دھرتا لوگوں کو یہ حق کیسے پہنچتا ہے کہ وہ ایک ایسے فعل کو جو محبت اور الفت کی پیداوار ہے ایک سخت گیر اور لچک سے مبرا قانون کی شکل دیدیں، ایک ایسے قانون کی حیثیت دیدیں جس سے چھٹکارا صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ ایک پادری اپنی عزیز ترین شے، فرائض مذہبی میں عوامی رہنمائی کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔ کیا ایسی محبت جو انسان پر اس کی مرضی کے بغیر جبراً مسلط کی گئی ہو خدا تعالیٰ کی نگاہوں میں کوئی وقعت رکھتی ہے؟ چرچ کے ناخداؤں کے لئے یہ کس طرح جائز ہے کہ وہ مسیح کی اس خواہش اور دعوت کو ایسا رنگ دیدیں جو مسیح کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ اور وہ بھی اس صورت میں جبکہ خود ان کا منصب اور ان کے فرائض اس بات کے متقاضی ہیں کہ وہ لوگوں کے دلوں میں تبلیغ اور ترغیب کے ذریعے خدا تعالےٰ کی محبت پیدا کریں۔

میں ایک ایسے راہب کی حیثیت سے یہ طور لکھ رہا ہوں جو اس قانون سے بُری طرح متاثر ہوا ہے، ایک ایسے انسان کی حیثیت سے جس کی امنگیں اور قوتِ عمل آہستہ آہستہ ختم ہو رہی ہے اور جو یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کے دل اور دماغ کو جمالیاتی حس اور جذبات کی گرمی سے محروم کر دیا گیا ہے بالکل اسی طرح جس طرح موسم خزاں میں کسی درخت کو اس کے ہرے بھرے پتوں سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ لوگ جو رہبانیت پر یقین رکھتے ہیں مجھے کیا جواب دیں گے؟ ان کا سب سے بڑا اعتراض یہی ہوگا کہ جب میں نے اپنے آپ کو مذہبی تعلیم اور پادری کے پیشے کے لئے پیش کیا تھا تو کیا مجھے معلوم نہیں تھا کہ اس کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟۔ کیا مجھے علم نہیں تھا کہ مغربی طرزِ فکر کے کیتھولک چرچ میں ایک پادری کو مجرد زندگی گزارنی پڑتی ہے لیکن کیا یہ اعتراض اس قدر وزنی ہے کہ اس کی بنیاد پر اس ظلم و تعدّی کو روا رکھا جا سکے؟ جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں میں اُن کے خلاف شدید احتجاج کرتا ہوں آخر ایسے قانون کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اور اگر اس قانون کو بنایا ہی گیا تھا تو اس کو اس قدر سخت اور جامد کیوں بنایا گیا ہے؟ جبکہ دوسرے عیسائی فرقوں مثلاً اینگلیکن، آرتھوڈکس اور خود کیتھولک چرچ کے مشرقی طرزِ فکر والے فرقوں میں پادریوں کو شادی کی اجازت ہے اور متاہل زندگی اُن کے فرائضِ مذہبی پر کسی طرح اثر انداز نہیں ہوتی۔ آخر وہ کونسی بنیاد ہے

جس پر چرچ اس قانون کو صحیح ثابت کر سکتا ہے جبکہ یہ قانون خود رہبانیت کے حقیقی مفہوم اور مجرد زندگی گزارنے کے لئے مسیح کی تعلیم کے سراسر منافی ہے۔ آخر وہ کونسی ہستی ہے جس کا کہنا قانون کی حیثیت رکھتا ہے؟ کیا خود مسیح کا قائم کردہ چرچ مسیح کی تعلیم کے خلاف جا سکتا ہے؟۔

یہ کہنا کہ مجھے یا کسی اور شخص کو جو پادری بننے کے لئے تعلیم حاصل کرتا ہے اس بات کا علم ہوتا ہے کہ اس پیشے کے ساتھ کیا ذمہ داریاں وابستہ ہیں قطعی غلط ہے کیونکہ جب تک تعلیم کے بعد عملی طور پر ان امور کی سرانجام دہی کا بار کسی کے کندھوں پر نہیں ڈالا جاتا اُسے نہ تو یہ علم ہوتا ہے کہ پادری بننے کے ساتھ کن ذمہ داریوں کو اُسے قبول کرنا ہوگا اور نہ ہی دورانِ تعلیم اسے ان ذمہ داریوں کے متعلق کچھ بتایا ہی جاتا ہے تا وہ اس سے قبل اپنے ذہن میں ان کا کوئی تصور لا سکے۔ ان اداروں میں جہاں پاپائیت کی تعلیم دی جاتی ہے صبح و شام صرف عیسائی دینیات ہی پڑھائی جاتی ہے۔ ہماری سرگرمیوں کا دائرہ کلاس روم یا لیکچر ہال کے صرف ایک ڈیسک تک محدود ہوتا ہے اور اس میں پادری کے عملی فرائض کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں ان امور سے قطعی علیحدہ رکھا جاتا ہے جن امور کو ہم نے بعد میں سرانجام دینا ہوتا ہے۔ اس لئے میں یہ بالکل نہیں جان سکتا تھا کہ فرائض کی اس دنیا میں داخل ہونے کے بعد میری ضروریات کیا ہوں گی۔ ان کا احساس صرف اسی وقت ہوا جب تعلیم مکمل کر لینے کے بعد مجھے چرچ کے ساتھ عملی طور پر وابستہ ہونا پڑا۔ اور اسوقت مجھے یہ احساس ہوا کہ میں اور میری ہی طرح کے ۱۱، ۱۲، ۱۳ سال کے وہ بچے جو پادریت کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے سیمینریز میں داخلہ لیتے ہیں کس قدر ظالمانہ نظام کا شکار بنائے جاتے ہیں۔ ان سیمینریز میں ایک طالب علم ۱۰، ۱۵ سال تک زندگی گزارتا ہے۔ مجرد کی زندگی کا خوگر بنانے کے لئے اس سے بہتر اور کیا طریق اختیار کیا جا سکتا ہے؟

یہ وہ زمانہ تھا جب مجھے تنہائی کا کچھ احساس نہ تھا، ایک ایسی تنہائی جو آج میری روح کو کھا رہی ہے۔ اس وقت جبکہ میں بے شمار زندہ دل دوستوں میں گھرا ہوا ہوتا تھا مجھے اس زندگی کا تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا جس زندگی میں صبح سے شام تک کام کرنے کے بعد انسان ایک ایسے کمرے میں داخل ہوتا ہے جہاں چند جامد اشیاء کے سوا زندگی کی کوئی حرارت نہیں ہوتی۔ اس وقت مجھے بالکل یہ خیال نہ تھا کہ مجھے کسی ساتھی کی کس قدر ضرورت ہے، ایک ایسے ساتھی کی جو صرف میرا رفیقِ کار نہ ہو بلکہ ایسا جو میری روح اور میرے بدن کا ساتھی ہو۔ اور آج جب مجھے اپنی اس ضرورت کی حقیقت کا علم ہوا ہے میں اس سفر میں بہت دور نکل آیا ہوں مجھے یہ احساس ہی نہیں تھا کہ میرے دل میں یہ کتنی تڑپ ہے کہ میں بھی کسی عورت سے محبت کروں اور کوئی عورت مجھ سے محبت کرے۔ مجھے اس بات کی پرواہ نہیں کہ کوئی میری

اس تحریر کے جذباتی ہونے کا فتویٰ دیدے اور اسے لغویات میں شمار کرے۔ یہ میرے دل کی آواز ہے اور میں اسے دبا نہیں سکتا۔ اگر یہ جذبہ غلط ہے تو پھر انسانی فطرت بھی ایک ڈھونگ ہے۔

کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو اسے جنسیات کہہ کر مسترد کر دیں گے۔ میں یہ اعتراف کرتا ہوں کہ یہ جنسی جذبہ اور یہ ضرورت میرے جسم کا ایک حصّہ ہے۔ ایک زمانہ تھا جب میں جوان تھا اور نوجوانوں کی طرح اس خواہش کا شدت سے شکار تھا۔ لیکن اب یہ خواہش کسی اَور چیز کا صرف ایک حصّہ بن کر رہ گئی ہے ایک ایسی چیز کا جسے میں اب بہت شدت سے محسوس کرتا ہوں یعنی اس خواہش کا جس میں میں چاہتا ہوں کہ ایک عورت میری قریب ترین ساتھی ہو جس سے میں محبت کروں اور جو مجھ سے محبت کرے، جو میری رفاقت میں خوشی محسوس کرے اور میں جس کی رفاقت میں مسرت حاصل کروں، اور جس کی زندگی اور بہتری میں میں شریک ہو سکوں اور جو میری زندگی اور میری بہتری میں میری شریک ہو سکے۔ صرف ایک خام اور قابلِ رحم ذہن ہی یہ فرض کر سکتا ہے کہ شادی صرف جنسی رفاقت کا ہی نام ہے۔

میں اس سے بھی زیادہ یہ اعتراف کر سکتا ہوں کہ میں ایک وحشتناک تنہائی کا شکار ہوں ایک ایسی تنہائی کا جو میرے دل و دماغ پر چھا چکی ہے اور جسے کوئی دعا اور کوئی مذہبی عبادت دُور نہیں کر سکی۔ یہ ایک ایسی تنہائی ہے جو میری رُوح کو کھا رہی ہے اور میری پیشہ ورانہ سرگرمیوں کے لئے جس جوش اور جذبہ کی ضرورت ہے اسے سرد کر رہی ہے۔ یہ میرے اندر ایک لامتناہی کشمکش کی ذمہ وار ہے اور ایک مسلسل تاریکی بن کر میرے ذہن پر چھا چکی ہے۔ میں نہیں جانتا اس اذیّت کو میں کب تک برداشت کرتا رہوں گا۔ میرے پاس اس سے چھٹکارا پانے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ ایک عورت سے محبت کرنا اور اس سے شادی کرنا ایک ایسا جُرم ہے جس میں مجھے اپنی پادریت کی قبا سے محروم کر دیا جائیگا۔ اور جس سزا کی تکمیل کے لئے مجھے اذیّت کے ایک طویل دَور سے گزرنا پڑے گا۔ لیکن ان تمام خواہشات، تمام تنہائیوں اور ضرورتوں کے باوجود مجھے اپنی موجودہ مذہبی حقیقت سے محبّت ہے۔ میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ یہ میری فطرت اور رجحانات کے عین مطابق ہے میں خدا تعالیٰ کے بندوں کو اس کے دین کی تعلیم دیکر اس کے سکون بخش اور پُراز تقویت کلام کو سُنا کر اُن کی خدمت کرنا چاہتا ہوں یہ میری زندگی ہے لیکن اس جابر قانون کے تحت اس زندگی کا مطلب صرف یہ ہے کہ میں اس محبّت سے اپنے آپ کو محروم کر دوں جس کی مجھے آج اتنی ہی ضرورت ہے جتنی ایک غرق شدہ انسان کو ہوا کی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں لوگوں کی دینی رہنمائی کا فرض تو ادا کر تا رہوں لیکن خود میری حالت اس انسان کی ہو جس کی روح مر چکی ہے اور جس کے دل میں نہ کوئی خوشی ہو، نہ کوئی امنگ اور نہ ہی کام کرنے کے لئے کوئی جذبہ۔

مسیحی چرچ اس قدر ظالم بھی ہو سکتا ہے؟ میں

شادی نہیں کر سکتا، صرف اس لئے کہ میں ایک معصوم لڑکی کو اس مصیبت میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا جو زندگی میں ناکام اور پادریت سے خارج کئے ہوئے انسان کے ساتھ وابستہ ہونے والی لڑکی کو پیش آئے گی اور جو اس کی گھریلو زندگی کو ایک مسلسل آزار بنا دیگی۔ صرف ایک ہی راستہ میرے لئے کھلا ہے کہ میں اسی طرح اپنی زندگی بسر کرتا رہوں لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ اس طرح ہر دن جو گزریگا اور ہر رات جو بیتے گی میری تنہائی میں اضافہ کا باعث بنیں گے میری محرومیوں کے احساس کی تلخی کو بڑھائیں گے اور میرے دل کی امنگوں سے حرارت چھین کر مجھے ایک شکست خوردہ انسان کی شکل میں تبدیل کر دینگے۔ بظاہر کئی پُر از مسرت لمحات بھی آئیں گے لیکن یہ اندرونی تباہی کا سلسلہ ناگزیر ہے۔ میں اسوقت شدت سے محسوس کرتا ہوں کہ کوئی ایسی چیز ہے جس کے بغیر میں زندگی نہیں گزار سکتا جس کے بغیر میں مرجھاتا چلا جاؤنگا اور آہستہ آہستہ میری جذباتی حالت اس برف کی مانند ہو جائیگی جو ایک خاموش اور افسردہ جھیل پر چھا چکی ہو۔ اس خزاں کی مانند میرا حشر ہوگا جو انگلستان پر چھا جاتا ہے لیکن جس میں بعض ایام ایسے بھی آتے ہیں جب سورج پوری تابناکی سے طلوع ہوتا ہے اور لوگوں کو گزرے ہوئے موسم بہار کی یاد دلا جاتا ہے لیکن اسکے بعد پھر اس پر سرد ہواؤں کے ساتھ دھند اور کُہر کی گھٹا چھا جاتی ہے۔

یہ میری خود اعترافی ہے میں یہ نہیں کہتا کہ کیتھولک چرچ کے سب پادری میری طرح ہی محسوس کرتے ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان میں سے بعض خلوصِ دل سے یہ تسلیم کرینگے کہ وہ بھی میری طرح اس ظلم کے شکار ہیں۔ میں انکی صحیح تعداد متعین نہیں کر سکتا ممکن ہے یہ تعداد بہت تھوڑی ہو۔ مجھے یہ بھی تسلیم ہے کہ کئی پادری ایسے ہیں جو راہبانہ زندگی کو پُر مسرت قرار دیتے ہیں۔ وہ مسیح اور اس کے بتائے ہوئے مذہب سے حقیقی وابستگی کے لئے اسے ضروری سمجھتے ہیں اور انکے بقول اسی کے طفیل روحِ مقدس انکے دلوں میں جاگزیں ہوتی ہے لیکن مجھے تو اپنی تکلیف کا اظہار کرنا ہے اپنے دُکھ درد کو بیان کرنا ہے۔ میں وہ انسان ہوں جو نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن کا شکار ہوا ہوں۔

چرچ اپنے اندر کوئی لچک پیدا نہیں کریگا۔ کم از کم مجھے یقین ہے اسوقت تک اسمیں کوئی لچک پیدا نہیں ہوگی جب تک میں بوڑھا نہ ہو جاؤں، میری تنہائیوں اور محرومیوں کی شدت میں اضافہ نہ ہو جائے اور میں اس قابل نہ رہوں کہ ایک پُر از محبت زندگی بسر کر سکوں۔ چرچ کے ناخداؤں کے سامنے ایک اصول ہے جسے انہوں نے قانون کی شکل دیدی ہے اور جسے وہ ایک پادری کی روحانی زندگی میں پرواز کیلئے اور پادریت کے تقدس کے لئے مفید سمجھتے ہیں۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ چرچ کے فائدہ کے لئے ایک فرد کو، کُل کے لئے جُزو کو اور جسم کے لئے ایک عضو کو قربان کیا جا سکتا ہے۔ قربانی کی اس آماجگاہ میں یہ شمع مدتوں سے جل رہی ہے اور چونکہ پادری کو صرف ایک چلتا پھرتا جذبات سے عاری انسان تصور کیا جاتا ہے اسلئے اس شمع کو ماضی میں ہمیشہ اسکی شکل میں ایندھن ملتا رہا ہے اور مستقبل میں بھی ہمیشہ ملتا رہیگا۔ یہ انکی قسمت بن چکی ہے۔ گو میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ مسیح نے کبھی بھی قربانی کی اس آماجگاہ کی تعمیر نہیں کی تھی اور کبھی بھی اس شمع کو جلانے کے لئے نہیں کہا تھا +

ہمارا مرکزی سالانہ جلسہ

اٰیَۃٌ مِّنْ اٰیَاتِ اللّٰہِ

اخبارات کے چند اقتباسات

پون صدی قبل سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قادیان کی بستی میں باذنِ الٰہی اس روحانی جلسہ کا آغاز فرمایا۔ پہلے جلسہ میں صرف ستر نفوس نے شرکت فرمائی۔ الٰہی نوشتوں کے مطابق یہ جلسہ اپنی برکات، اپنے فیوض اور حاضرین کی تعداد کے لحاظ سے دن بدن ترقی کرتا گیا۔ اس جلسہ کی شاخیں دُور دراز ممالک یورپ، افریقہ اور انڈونیشیا تک پھیل گئیں اب ہر جگہ احمدی جماعتیں ایسے سالانہ جلسے کرتی ہیں۔

۱۹۴۷ء کی تقسیم ملک اور مرکزی جماعت احمدیہ کے بیشتر حصہ کے پاکستان میں ہجرت کرنے کے باعث ربوہ کی تعمیر ہوئی اور اسے بوجہ خلیفہ وقت کی قیامگاہ ہونے کے مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی۔ لوگ خیال کرتے تھے کہ اب جماعت کی شیرازہ بندی ممکن نہیں ہوگی مگر خدائے قادرِ مطلق نے پھر اپنے وعدہ کو پورا فرما کر جماعت کو نامساعد حالات کے باوجود مرکزیت عطا فرمائی۔ قادیان میں بھی صدر انجمن احمدیہ موجود ہے اور جماعت کے تبلیغی و تربیتی سارے کام بھارت میں بھی جاری ہیں۔ وہاں بھی سالانہ جلسہ ہوتا ہے اور مرکز سلسلہ ربوہ میں بھی جلسہ کا باقاعدہ اور مسلسل انعقاد ہو رہا ہے۔

ہر سال کا سالانہ جلسہ اپنی ذات میں قدرتِ خداوندی کا ایک نشان ہوتا ہے، جماعت کی ترقی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ ۱۹۶۷ء کے آخر پر جو جلسہ مرکز ربوہ میں ہوا وہ اپنی عظمتوں، اپنی برکتوں اور اپنے روحانی فیوض کے لحاظ سے ایک خاص بابرکت اجتماع تھا۔ اس میں غانا (مغربی افریقہ) جرمنی اور انگلستان کے ملکی احمدی بھی شامل ہوئے۔ دوسرے ممالک سے بھی کافی دوست تشریف لائے۔ بھارت کے سالوں سے بچھڑے ہوئے دردمند احمدی بھی صدہا کی تعداد میں شامل جلسہ ہوئے۔ تقریباً **ایک لاکھ افراد** کا مجمع تھا۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ کی ایمان افروز تقاریر کے علاوہ علماءِ سلسلہ کے عالمانہ لیکچروں سے مستفید ہوئے۔ مَردوں کے جلسہ گاہ سے فاصلہ پر مستورات کا علیحدہ باپردہ جلسہ گاہ تھا۔ ہر دو جلسوں میں بیک وقت تقریروں کے سننے کا انتظام تھا۔ اس اجتماع کے موقعہ پر اخوت اور اسلامی تنظیم کے نہایت شاندار نظارے نظر آتے۔ ہر جگہ ہر وقت تسبیح و تحمید کا ذکر جاری تھا۔ ایمانوں میں تازگی اور دلوں میں جلا پیدا

ہؤا۔ اس سلسلہ میں چند اخبارات کے اقتباسات درج ذیل ہیں :-

(۱)

دنیا کو تباہی کے غار سے بچانے کی تلقین

جماعت احمدیہ کے سربراہ مرزا ناصر احمد کی تقریر

"لاہور ۲۶ دسمبر۔ احمدیہ جماعت کے سربراہ حافظ مرزا ناصر احمد نے ربوہ میں ۷۷ ویں احمدیہ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ دنیا کی فلاح صرف اس راز میں ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات اور قرآنی احکام کا بول بالا کیا جائے۔ آپ نے کہا کہ دنیا میں اسلام کی اشاعت کا راز بھی یہی ہے۔ آج دنیا روحانی، معاشری اور سیاسی تباہی کے غار کے کنارے کھڑی ہے اسے بچانے کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کرنا چاہیئے۔ کانفرنس میں دنیا کے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے احمدیوں نے شرکت کی۔ آج کے اجلاس سے پروفیسر چودھری محمد علی، شیخ محمد احمد مظہر، جناب ابوالعطاء، شیخ مبارک احمد اور جناب قاضی محمد نذیر نے بھی خطاب کیا۔" (روزنامہ نوائے وقت ۲۷ دسمبر ۱۹۶۶ء)

(۲)

دنیا کی نجات اسوۂ حسنہ کی پیروی میں ہے

"ربوہ ۲۶ دسمبر۔ جماعت احمدیہ کے ۷۷ ویں سالانہ جلسے سے خطاب کرتے ہوئے حافظ مرزا ناصر احمد نے کہا کہ دنیا کی نجات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور قرآن مجید کے مسلّمہ اصولوں پر عمل کرنے میں ہے۔" (روزنامہ امروز لاہور ۲۷ دسمبر ۱۹۶۶ء)

(۳)

احمدیہ کانفرنس ربوہ میں ایک لاکھ کی شرکت

"ربوہ ۲۸ دسمبر۔ گزشتہ روز احمدیوں کی ۷۷ ویں سالانہ کانفرنس میں بیس غیر ملکی زبانوں میں قرآن شریف کے ترجموں کی ایک نمائش کی گئی۔ ان میں روسی، فرانسیسی، ہسپانوی، جرمن اور ڈچ زبان کے ترجمے بھی شامل ہیں۔ نمائش کے افتتاح کے بعد غیر ممالک میں پچاس زبانوں میں تبلیغی سرگرمیوں کی تفصیلات بیان کی گئیں اور بتایا گیا کہ جماعت غیر ممالک میں پچاس زبانوں میں تبلیغ کا کام کر رہی ہے۔ کانفرنس میں شرکت کرنے والوں کیلئے کوئٹہ، کراچی، لاہور، راولپنڈی، سیالکوٹ اور گجرات سے بیس سپیشل ٹرینیں چلائی گئیں اور یہ پہلا موقعہ تھا کہ کانفرنس میں پی۔ آئی۔ اے نے بھی بکنگ کے لئے کیمپ آفس قائم کیا۔ ایک اندازے کے مطابق اب تک ایک لاکھ احمدی ربوہ پہنچ چکے ہیں۔" (نوائے وقت ۲۹ دسمبر ۱۹۶۶ء)

(۴)

احمدیّہ جماعت کی کانفرنس ختم ہوگئی

"ربوہ ۲۹ دسمبر۔ احمدیہ جماعت کی ۷۷ ویں سالانہ کانفرنس میں پاکستان اور غیر ممالک سے تقریباً ایک لاکھ افراد نے شرکت کی گزشتہ روز ختم ہوگئی۔ آخری اجلاس میں جماعت احمدیہ کے سربراہ حافظ ناصر احمد نے اپنی تقریر میں وضاحت کی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کس اعلیٰ ترین روحانیت کے حامل تھے۔ آپ نے قرآن مجید اور احادیث کے

دُنیا کی عُمر

(از جناب چودھری خالد سیف اللہ خان صاحب لائل پور)

یہ کائنات کب سے ہے۔ زمین کب وجود میں آئی۔ اس میں حیات کب پیدا ہوئی۔ انسان نے کب جنم لیا۔ زمین کا انجام کیا ہے۔ اس کا خاتمہ کب اور کیسے ہوگا۔ یہ وہ چند سوالات ہیں جو ہمیشہ سے انسان کی دلچسپی کا مرکز رہے ہیں اور فلاسفر اور سائنسدان ان گتھیوں کو سلجھانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ جوں جوں انسان کا علم ترقی کرتا گیا متعدد نظریات قائم ہوتے اور تبدیل ہوتے رہے۔ اس مقالہ کا مقصد سائنس اور قرآن وحدیث اور تحریراتِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی روشنی میں ان سوالوں کا جواب تلاش کرنا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

عمرِ زمین از رُوئے سائنس

زمین کی عمر کے متعلق سائنسدانوں کے مختلف نظریات

Mr. W. Maxwell Reed اپنی کتاب The Stars for Sam میں زمین کی عمر کے بارہ میں مختلف نظریات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"یہ ہے ہماری زمین کی قدیم تاریخ۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ بہت کچھ جان لینے کے باوجود ہم ابھی کچھ بھی نہیں جانتے۔ ہم سب کے سب زمین کے حال اور مستقبل کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ کبھی ان معلومات میں اضافہ ہوجاتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نئے حقائق کی روشنی میں پرانے نظریات کو خیرباد کہنا پڑتا ہے۔"

پھر لکھتے ہیں:-

"ہماری زمین کی پیدائش کسی ایسے حادثے کا نتیجہ ہے جب آج سے تقریباً دس ارب سال پہلے سورج کسی دوسرے ستارے کے ساتھ ٹکرا گیا یا دونوں اس قدر قریب سے گزرے کہ سورج متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا (اور زمین سورج سے علیحدہ ہو کر گردش کرنے لگ پڑی۔)

جارج گیمو George Gamow نے

اپنی کتاب Biography of Earth میں لکھا ہے کہ زمین سورج کے بطن سے دو ارب سال پہلے پیدا ہوئی۔ سید محمد تقی صاحب اپنی کتاب "روح اور فلسفہ" میں زمین کی عمر کے بارہ میں مختلف نظریات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"حیات کی عمر سے متعلق اب سے
کچھ پہلے تک قیاس یہ تھا کہ وہ اسّی
کروڑ سال پہلے وجود میں آئی تھی،
لیکن جدید تحقیقات کی بناء پر حیات
کی عمر اس سے بہت زیادہ خیال
کی جاتی ہے۔ ایڈنبرا یونیورسٹی کے
پروفیسر آرتھر ہومس نے بتایا ہے کہ
حیات کی عمر لگ بھگ تین ارب
سال ہے ......
...... اب تک حیات
کی نصابی کتابوں میں آغاز حیات کی
عمر پچاس کروڑ یا زیادہ سے زیادہ
اسّی کروڑ بتائی جاتی تھی اور کائنات
کی عمر دو ارب سال مگر تازہ انکشافات
سے معلوم ہوتا ہے کہ حیات کی عمر
تین ارب سال اور غالباً پانچ یا دس
ارب کے درمیان یا اس سے بھی
زیادہ ہوگی۔"

الغرض سائنسدانوں نے زمین پر زندگی کی عمر دو ارب سے دس ارب سال کے درمیان بیان کی ہے۔

سائنسدانوں نے زمین کی عمر کے اندازے کس طرح لگائے ہیں؟

یہاں طبعاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسے ذرائع ہیں جن کے ذریعہ سائنسدانوں نے زمین کی عمر کے اندازے لگائے ہیں۔ اختصار کے ساتھ دو اہم ترین ذرائع کا یہاں ذکر کر دینا مناسب ہوگا۔

۱۔ **سمندروں کی عمر**:- سمندر ہماری زمین کے تقریباً تین چوتھائی حصوں پر پھیلے ہوئے ہیں۔ سمندر کا پانی نمکین ہوتا ہے لیکن کم لوگوں نے اس پر غور کیا ہوگا کہ یہ نمک ان ہی دریاؤں کا لایا ہوا ہے جن کے پانی کو ہم شیریں کہتے ہیں۔ سمندر کا پانی بخارات بن کر اُڑ جاتا ہے لیکن نمک سمندروں ہی میں رہ جاتا ہے۔ اس طرح ہر سال سمندر کے پانی میں نمک کی مقدار بڑھتی جاتی ہے۔ ہمارے سمندروں میں اس وقت جتنا نمک موجود ہے وہ انتہائی مقدار کا تقریباً دسواں حصہ ہے اور اس کا وزن تقریباً چالیس لاکھ ارب ٹن ہے۔ دنیا کے تمام دریا ہر سال تقریباً چالیس کروڑ ٹن نمک مختلف سمندروں میں لا ڈالتے ہیں۔ اگر ہم سمندروں کے کل نمک اور ہر سال کے اضافہ کا مقابلہ کریں تو سمندروں کی عمر تقریباً ڈیڑھ ارب سال بنتی ہے۔

۲۔ **چٹانوں کی عمر**:- اللہ تعالیٰ نے چٹانوں میں

اپنی ایک گھڑی چھپا رکھی ہے جسے دیکھ کر ماہرینِ ارضیات زمین کی عمر کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ وہ گھڑی یہ ہے کہ کچھ چٹانوں میں Thorium اور Uranium Radio Active Elements کے پائے جاتے ہیں جو "الفا ذرّات" بڑی تیزی سے اپنے چاروں طرف پھیلاتے ہیں۔ اِن ذرات کے جدا ہونے کی وجہ سے ریڈیو ایکٹو عناصر بالآخر سیسہ (Lead) میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ ایک معیّنہ مدّت میں اِن خارج ہونے والے "الفا ذرّات" کی مقدار کا اندازہ ایک نہایت حسّاس آلہ "گیگر کاؤنٹر" کے ذریعہ لگایا جا سکتا ہے جو ایک ایک ذرہ کے اخراج کو ریکارڈ کرتا رہتا ہے۔ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ یورینیم کی کسی بھی مقدار کو اِس انتشار اور تبدیلی کی وجہ سے نصف رہ جانے میں ساڑھے چار ارب سال لگتے ہیں۔ اسی طرح تھوریم کی مقدار کو نصف رہنے میں ساڑھے سولہ ارب سال لگ جاتے ہیں۔ سائنسدانوں کے نزدیک دنیا میں کسی بھی چیز کی عمر دریافت کرنے کے لئے اِس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں۔

اب اِن چٹانوں کا معائنہ کرنے سے جن میں یورینیم اور تھوریم پایا جاتا ہے یہ دیکھ کر کہ اِن میں بچا کھچا سیسہ کتنی مقدار میں ہے اِن چٹانوں کی عمر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ جو اندازہ اِس طرح پر لگایا گیا ہے وہ تقریباً دو ارب سال بنتا ہے۔

قرآن مجید کی رُو سے ایک زمینی دَور پچاس ہزار سال کا ہوتا ہے اور اُس کا آخری سات ہزار سالہ حصّہ دَورِ انسانیت یا دَورِ نبوّت کہلاتا ہے

چنانچہ سورہ معارج میں آتا ہے کہ سائل پوچھتا ہے کہ دنیا کو ختم کر دینے والا اٹل عذاب کب آئے گا؟ جس کے جواب میں خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ عذاب ذو المعارج خدا تعالیٰ کی طرف سے آ کر رہیگا۔ کب آئے گا؟ اِس کے جواب میں ارشاد ہوا تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ یعنی عام فرشتے اور کلام الٰہی لانے والے فرشتے اُس خدا کی طرف اتنی مدّت میں چڑھا کرتے ہیں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہوتی ہے اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ ایک زمینی دَور کا خاتمہ پچاس ہزار سال کے بعد ہوتا ہے۔ یعنی ہر پچاس ہزار سال کے بعد دنیا کا نظام چلانے والے اور کلام الٰہی لانے والے فرشتے اپنے فرائض سرانجام دے کر خدا تعالیٰ کی طرف لَوٹ جایا کرتے ہیں فرشتوں کی ڈیوٹی یا شفٹ تبدیل ہوتی ہے پہلے دَور کے فرشتے واپس لَوٹ جاتے ہیں اور دوسرے دَور کے فرشتے چارج سنبھال لیتے ہیں۔

اِس آیت کی تشریح میں پرانے مفسّرین اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے دنیا کی عمر

پچاس ہزار سال ہی لکھی ہے یعنی اس دَور کی جس کا ہمارے ساتھ تعلق ہے۔ حضورؓ تفسیرِ صغیر میں اِس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں :-

"صلحاء اور اولیاء نے حضرت
آدمؑ سے لے کر رسول کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کے زمانہ تک پانچ ہزار
سال کی عمر قرار دی ہے مگر اندازے
الگ الگ حساب سے ہوتے ہیں۔
پس یہ اختلاف کوئی نہیں۔ آدمؑ
کی نسل سے سلسلہ انبیاء کی عمر ممکن
ہے سات ہزار سال ہو۔ اور
طبقات الارض کے اندازے کے
لحاظ سے دنیا کی عمر پچاس ہزار
سال ہو پس یہ کوئی اختلاف نہیں۔"

حضورؓ کی اِس تشریح سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ زمین کا ایک دَور پچاس ہزار سال کا اور اُس دَور کے آدم سے لے کر اس کے خاتمہ تک کا عرصہ سات ہزار سال ہوتا ہے۔

دَور کے خاتمہ کا حال

اِسی سورۃ معارج میں آگے چل کر دَور کے خاتمہ کا حال بیان ہوا ہے اور ان خرابیوں کا ذکر کیا گیا ہے جن میں آخری زمانہ کے انسان مبتلا ہوں گے اور جو خدا تعالیٰ کے غضب کو بھڑکانے کا موجب ہوں گے۔ اِن سب امور کو بیان کرنے کے بعد سورۃ کے آخر میں فرمایا ذٰلِکَ الْیَوْمُ الَّذِیْ کَانُوْا یُوْعَدُوْنَ کہ یہ ہے وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے یعنی یہ ہے تفصیل اس دَور کے خاتمہ کی جس کے بارہ میں سائل نے سوال کیا تھا۔

پچاس ہزار سالہ زمینی دَور کے خاتمہ کا حال بیان فرماتے ہوئے بتایا کہ اِس کا خاتمہ شدید شعلہ والے عذاب سے ہوگا۔ آسمان کا رنگ پگھلائے ہوئے تانبہ کی طرح ہو جائے گا اور پہاڑ دُھنی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے اور کوئی شخص اس سے بھاگ کر بچ نہیں سکے گا۔

اِن آیات کی تشریح میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :-

"یعنی ایسی ایسی ایجادیں نکل آئیں گی
جیسے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کہ
جن کے گرنے سے پہاڑوں جیسی
مضبوط چیز بھی رُوئی کے گالوں کی
طرح اُڑ جائے گی۔"

ابھی چند روز ہوئے ایک خبر شائع ہوئی تھی کہ ایک روسی ماہر کے اندازہ کے مطابق اِس وقت بھی دنیا میں اتنے ایٹمی ہتھیار موجود ہیں کہ جو ساری دنیا کی مکمل تباہی کے لئے کافی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا قرآن مجید کی بتائی ہوئی نشانیوں کے مطابق اپنے انجام کی طرف بڑھ رہی ہے۔

دَورِ انسانیت سات ہزار سال کا ہوتا ہے

پچاس ہزار سالہ "زمینی دَور" کے آخری سات ہزار سالہ

حصّہ کو دَورِ انسانیت یا دَورِ نبوّت کہا جاتا ہے۔ یہ آخری سات ہزار سال ظہورِ آدمؑ سے لے کر اِس دَور کے خاتمہ تک ہوتے ہیں۔

پچاس ہزار سالوں کے ابتدائی تنتالیس ہزار سالوں میں زمین رو ئیدگی سے تقریباً خالی ہوجاتی ہے اور ہزاروں سالوں کے بعد آہستہ آہستہ زندگی کے قیام اور انسان کی رہائش کے قابل ہوتی ہے۔ گزشتہ دَور کے خاتمہ پر جو اِکّا دُکّا انسان استثنائی طور پر دنیا کے کسی حصّہ میں جان سے بچ جاتے ہیں وہ اس عذاب اور اس کی مسموم فضا سے ذہنی اور جسمانی طور پر مفلوج ہوجاتے ہیں اور انسان کہلانے کے قابل نہیں رہتے۔ پیدائش انسانی کا سلسلہ تقریباً ختم ہوجاتا ہے۔ اگر کہیں کوئی بچّہ جنم بھی لے تو وہ بھی مسموم فضا سے متاثر ہوتا ہے۔ چنانچہ ایٹم بم کے اثرات بھی ایسے ہی بیان کئے جاتے ہیں۔

حیوانات اِس صدمہ سے پہلے نجات حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ درندوں سے بچنے کے لئے وہ نامکمل انسان غاروں میں رہنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایک وقت کے بعد خدا کی رحمت پھر جوش میں آتی ہے اور ان کے قویٰ ترقی کرنے لگتے ہیں اور مسموم فضا کے اثرات دُور ہونا شروع ہوتے ہیں اور جب وہ اِس قابل ہوجاتے ہیں کہ دل جُل کر رہ سکیں تو اللہ تعالیٰ آدم کو زمین میں اپنا جانشین مقرر کر دیتا ہے۔ وہ انہیں وحدانیت کا ابتدائی درس دیتے ہیں۔ غاروں سے باہر نکال کر معاشرہ کی بنیاد ڈالتے ہیں۔ عربی زبان اور زراعت کا علم سکھاتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ

اِس کے بعد انسان دوبارہ تیزی سے ترقی کی منازل طے کرنے لگ پڑتا ہے۔ اِس دَورِ انسانیت کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام لیکچر سیالکوٹ میں صفحہ ۶-۷ پر فرماتے ہیں :-

> "تمام نبیوں کی کتابوں سے اور ایسا ہی قرآن شریف سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے آدمؑ سے لیکر اخیر تک دنیا کی عمر سات ہزار برس رکھی ہے ..... چونکہ یہ آخری ہزار ہے اس لئے ضرور تھا کہ امام آخر الزمان اس کے سر پر پیدا ہو اور اس کے بعد کوئی امام نہیں اور نہ کوئی مسیح مگر وہ جو اس کے لئے بطور ظِلّ کے ہو۔ کیونکہ اِس ہزار میں اب دنیا کی عمر کا خاتمہ ہے جس پر تمام نبیوں نے شہادت دی ہے اور یہ امام جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مسیح موعود کہلاتا ہے وہ مجدّدِ صدی بھی ہے اور مجدّدِ الفِ آخر بھی۔"

پھر حضور علیہ السلام لیکچر لاہور صفحہ ۲۸-۲۹ پر فرماتے ہیں :-

> "یہ سب علامتیں اِس زمانہ میں پوری ہوگئیں (یعنی قربِ قیامت کی۔ ناقل) اور ایک اور علامت

قرآن شریف نے مسیح موعود کے زمانہ کے لئے قرار دی ہے کہ ایک جگہ فرماتا ہے اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ یعنی ایک دن خدا کا ایسا ہے جیسا تمہارا ہزار برس ہے پس چونکہ دن سات ہیں اس لئے اس آیت میں دنیا کی عمر سات ہزار برس قرار دی ہے لیکن یہ عمر اس آدم کے زمانہ سے ہے جس کی ہم اولاد ہیں۔ خدا کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے بھی دنیا تھی۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ لوگ کون تھے اور کس قسم کے تھے معلوم ہوتا ہے کہ سات ہزار برس میں دنیا کا ایک دور ختم ہوتا ہے . . . ہمیں معلوم نہیں کہ دنیا پر اس طرح سے کتنے دور گزر چکے ہیں اور کتنے آدم اپنے اپنے وقت میں آ چکے ہیں . . . . اس حساب سے انسانی نوع کی عمر میں سے اب اس زمانہ میں چھ ہزار برس گزر چکے ہیں اور ایک ہزار برس باقی ہیں۔"

ایک لاکھ آدم گزرے ہیں

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ تفسیر کبیر میں سورۃ حج کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اس موقعہ پر حضرت محی الدین صاحب ابن عربی کے ایک کشف کا ذکر کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے جو انہوں نے اپنی کتاب فتوحات مکیہ کی جلد ۳ میں بیان فرمایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ کشفی حالت میں دیکھا کہ میں بیت اللہ کا طواف کر رہا ہوں اور میرے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ہیں جو بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں مگر وہ کچھ اجنبی قسم کے لوگ ہیں جن کو میں پہچانتا نہیں۔ پھر انہوں نے دو شعر پڑھے جن میں سے ایک تو مجھے بھول گیا مگر دوسرا یاد رہا۔ وہ شعر جو مجھے یاد رہا وہ یہ تھا کہ

لَقَدْ طُفْنَا كَمَا طُفْتُمْ سِنِيْنًا
بِهٰذَا الْبَيْتِ طُرًّا اَجْمَعِيْنَا

یعنی ہم بھی اس مقدس گھر کا سالہا سال اسی طرح طواف کرتے رہے ہیں جس طرح آج تم اس کا طواف کر رہے ہو۔ وہ فرماتے ہیں مجھے اس پر بڑا تعجب ہوا۔ پھر ان میں سے ایک شخص نے مجھے اپنا نام بتایا مگر وہ نام بھی ایسا تھا جو میرے لئے

بالکل غیر معروف تھا۔ اس کے بعد وہ شخص مجھ سے کہنے لگا کہ مَیں تمہارے باپ دادوں میں سے ہوں مَیں نے پوچھا کہ آپ کو وفات پائے کتنا عرصہ گزر چکا ہے؟ اس نے کہا کہ چالیس ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ مَیں نے کہا کہ زمانۂ آدم پر تو اتنا عرصہ نہیں گزرا۔ اس نے کہا تم کس آدم کا ذکر کرتے ہو؟ کیا اس آدم کا جو تمہارے قریب ترین زمانہ میں ہوا ہے یا کسی اور آدم کا۔ وہ کہتے ہیں اس پر معاً مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث یاد آگئی کہ اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ آدم پیدا کئے ہیں اور مَیں نے یہ سمجھا کہ میرے یہ جدِ اکبر بھی انہیں میں سے کسی ایک آدم سے تعلق رکھنے والے ہوں گے۔"

(فتوحاتِ مکیہ جلد ۳ باب ۲۹۰ ص۵۲۹ منقول از تفسیر کبیر)

حضرت محی الدین صاحب ابن عربیؒ کا یہ کشف بتا رہا ہے کہ بیت اللہ نہایت قدیم زمانہ سے دنیا کا مرکز اور لوگوں کی ہدایت کا ایک ذریعہ بنا رہا ہے اور اسی طرح یہ دنیا بھی لاکھوں سال سے چلی آرہی ہے۔ چنانچہ آج سے ہزارہا سال قبل بھی لوگ اِس مقدس گھر کا اُسی طرح طواف کرتے رہے ہیں جس طرح آج ہم بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں۔ یہی حقیقت قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے کہ یہ بَیْتُ الْعَتِیْق ہے جو زمانۂ قدیم سے خدا تعالیٰ کے انوار و برکات کا تجلّی گاہ رہا ہے اور قیامت تک دنیا کو ایک مرکز پر متحد رکھنے کا ذریعہ بنا رہے گا۔" (تفسیر کبیر جلد پنجم حصہ اوّل صفحہ ۲۸-۲۹)

مندرجہ بالا حوالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دنیا صرف چھ ہزار برس سے ہی قائم نہیں بلکہ زمانۂ قدیم سے چلی آرہی ہے اور ایک لاکھ دَور گزر چکے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کی حکمتِ ازلی نے یہ چاہا ہے کہ خانۂ کعبہ جب تک زمین پر قائم ہے انسانیت کے ہر دَور میں اپنے موجودہ مقام پر ہی قائم رہے۔ اسی طرح اِس قطعۂ ارضی کو اپنی خاص الخاص برکات اور تقدس سے نوازا ہے جس کی کوئی مثال اور نظیر اِس دنیا میں موجود نہیں ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا سِنِ پیدائش

آیئے اب آدم علیہ السلام کا سِنِ پیدائش معلوم کریں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے

یہ تو زمانہ ما قبل تاریخ کی بات ہے، اس زمانہ کی کوئی تحریر یا ریکارڈ دستیاب نہیں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ آدم علیہ السلام کے زمانہ کا کوئی ایسا پتھر بھی دستیاب نہیں ہوسکتا جس پر "قبل مسیح" میں کوئی سن درج ہو۔ لیکن خدائے علیم وخبیر سے کوئی بات مخفی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کشفاً آدم کے سن پیدائش سے خبر دی۔ چنانچہ حضور فرماتے ہیں:-

"خدا تعالیٰ نے مجھے ایک کشف
کے ذریعہ سے اطلاع دی ہے کہ
سورۃ العصر کے اعداد سے بحساب
ابجد معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم
علیہ السلام سے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے مبارک عصر تک جو عہد
نبوت ہے یعنی تیئیس برس کا تمام و
کمال زمانہ کل مدت گزشتہ زمانہ
کے ساتھ ملا کر ۴۷۳۹ برس ابتدائے
دنیا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
روز وفات تک قمری حساب ہے۔"
(تحفہ گولڑویہ صفحہ ۹۳-۹۴)

پھر حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"شمسی حساب کی رو سے ۴۵۹۸
برس بعد آدم صفی اللہ حضرت نبینا
محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر ہوئے۔"
(تحفہ گولڑویہ صفحہ ۹۲)

اگر ظہور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعویٰ نبوت مراد لیا جائے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶۱۰ عیسوی میں فرمایا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مذکورہ بالا کشف کی رو سے آدم علیہ السلام سن ۳۹۸۸ قبل مسیح پیدا ہوئے۔

دنیا کی عمر

الغرض اگر ایک لاکھ دور گزرے ہوں اور ہر دور قرآن کریم کے مطابق پچاس ہزار سال کا ہو تو زمین پر انسانی زندگی کی عمر اب تک پانچ ارب سال بنتی ہے۔ اور حیوانات اور نباتات کی عمر اس سے زائد ہوگی۔ چونکہ زمین کو ٹھنڈا ہونے اور آبادی کے قابل ہونے کے لئے بھی ایک طویل عرصہ درکار تھا لہٰذا زمین کی عمر نباتات کی عمر سے زائد ہونی چاہیئے۔ ظاہر ہے کہ کائنات کی عمر زمین کی عمر سے بھی زائد ہوگی۔

ہمارے زمینی دور کے جب ابتدائی سینتالیس ہزار سال گزر گئے تو آدم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک ۴۷۳۹ سال اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے اب تک (یعنی ۱۹۶۹ء تک) ۱۳۷۸ قمری سال گزرے ہیں۔ گویا ہمارے پچاس ہزار سالہ دور میں سے ۴۹۱۱۷ سال اور دورِ نبوت سے یا آدم علیہ السلام کی پیدائش سے اب تک ۶۱۱۷ سال گزر چکے ہیں اور ہمارے دور کے خاتمہ میں تقریباً نوسو سال باقی ہیں۔ گویا ہم دنیا کے آخری دنوں میں سے گزر رہے ہیں اور قرآن مجید نے جو آخری زمانہ کی نشانیاں بڑی وضاحت

کے ساتھ بیان فرمائی تھیں وہ سب پوری ہو چکی ہیں۔

یہاں یہ وضاحت مناسب ہوگی کہ یہ سب انذار قربِ قیامت کے ہیں جن کی بہت سی علامات قرآن کریم اور احادیث میں مذکور ہیں لیکن یہ امر کہ وہ ساعت عین کب واقع ہوگی اور ہمارے دَور کی گھڑی اپنے آخری منٹ کا کب اعلان کرے گی اس کا علم صرف خدا تعالیٰ ہی کو ہے اور یہی قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے۔

وحدت اور کثرت کے دَور

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ وحدت اور کثرت کے بھی دَور ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضور فرماتے ہیں :-

"خدا تعالیٰ قدیم سے خالق چلا آتا ہے لیکن اس کی وحدت اس بات کو بھی چاہتی ہے کہ کسی وقت سب کو فنا کر دے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ وقت کب آئے گا مگر ایسا وقت ضرور آنے والا ہے۔ یہ اس کے آگے ایک کرشمۂ قدرت ہے وہ چاہے پھر خلقِ جدید کر سکتا ہے۔"
(ملفوظات جلد نہم صفحہ ۱۹۳)

پھر حضور فرماتے ہیں :-

"پس خدا تعالیٰ کی صفاتِ قدیمہ کے لحاظ سے مخلوق کا وجود نوعی طور پر قدیم ماننا پڑتا ہے نہ شخصی طور پر یعنی مخلوق کی نوع قدیم سے چلی آتی ہے۔ ایک نوع کے بعد دوسری نوع خدا پیدا کرتا چلا آیا ہے۔ سو اسی طرح ہم ایمان رکھتے ہیں اور یہی قرآن کریم نے ہمیں سکھایا ہے۔

اور ہم نہیں جانتے کہ انسان سے پہلے کیا کیا خدا نے بنایا مگر اسقدر ہم جانتے ہیں کہ خدا کی تمام صفات کبھی ہمیشہ کے لئے معطل نہیں ہوئیں اور خدا تعالیٰ کی قدیم صفات پر نظر کر کے مخلوق کے لئے قدامتِ نوعی ضروری ہے مگر قدامتِ شخصی ضروری نہیں۔" (چشمۂ معرفت صفحہ ۱۶۹)

پھر حضور فرماتے ہیں :-

"اگرچہ اسلام بھی مخلوق کی نوعی قدامت کا قائل ہے مگر اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر ایک چیز مخلوق ہے اور ہر ایک چیز خدا کے سہارے سے قائم اور موجود ہے اور نیز اسلام اس بات کا قائل ہے کہ ایک وہ زمانہ تھا جو خدا کے ساتھ کوئی نہ تھا اور صرف وحدت اپنا جلوہ دکھلا رہی تھی کہ خدا ایک پوشیدہ خزانے کی طرح تھا۔ پھر خدا نے چاہا کہ میں شناخت کیا جاؤں تو اُس نے اپنی شناخت

کے لئے انسان کو پیدا کیا مگر ہم نہیں جانتے کہ کتنی دفعہ وحدتِ الٰہی کا زمانہ آچکا ہے۔ اس کا علم خدا کو ہے۔ لیکن جیسا کہ دوسری صفات ہمیشہ کے لئے معطل نہیں رہ سکتیں ایسا ہی وحدتِ الٰہی کی صفت بھی ہمیشہ معطل نہیں رہتی اور کبھی کبھی اس کا دَور آجاتا ہے۔ اور کبھی ذاتِ الٰہی دنیا کو ہلاک کرنا چاہتی ہے اور کبھی پیدا کرنا کیونکہ احیاء اور اماتت دونوں صفات اس کی ہیں۔ اسلئے ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ خدا ہر ایک جاندار کو ہلاک کریگا یہاں تک کہ آسمان اور زمین کا بھی ایسے طور پر تختہ لپیٹ دیگا جیسا کہ ایک کاغذ لپیٹ دیا جاتا ہے۔ اور اس صورت میں تعطّل صفات کا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ بعض صفات کی جب تجلّی ہوتی ہے تو دوسری صفات جو ان کے مقابل پر ہیں اور ان کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں وہ کسی دوسرے وقت میں ظاہر ہوتی ہیں اور اس وقت کی منتظر رہتی ہیں۔ اور یہ ایک سلسلہ قدرت کا واقعی ہے جس سے اہلاک کے بعد احیاء لازم پڑا ہوا ہے۔ پس انہیں معنوں سے ہم کہتے ہیں کہ خداتعالیٰ کی کوئی صفت معطّل نہیں ہوتی۔ وہ قدیم سے مُحیی بھی ہے اور مُمیت بھی ہے اور کوئی صفت اس کی ایسی نہیں ہے کہ پہلے تھی اور اب نہیں ہے یا اب ہے اور پہلے نہیں تھی۔

غرض ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ کوئی چیز خداتعالیٰ کی وحدت کے ساتھ مزاحمت نہیں رکھتی۔ محض اُسی کی ذات قائم بنفسہٖ اور ازلی ابدی ہے اور باقی سب چیزیں ہالکۃ الذات اور باطلۃ الحقیقت ہیں اور یہی خالص توحید ہے جس کے مخالف عقیدہ رکھنا سراسر شرک ہے۔" (چشمہ معرفت صفحہ ۱۸۹)

توسیع اشاعت کے لئے فنڈ

ماہنامہ الفرقان ایک تبلیغی مجلہ ہے اس کی توسیع اشاعت تبلیغی فرائض میں ممد و معاون ہے۔ اس رسالہ کا ایک حصہ حق کے جویا بھائیوں کیلئے اعزازی طور پر بھیجا جاتا ہے اسلئے مخیر احباب کو چاہیئے کہ الفرقان کی توسیع اشاعت کے لئے اعانت بھجواتے رہیں۔ اس کا انہیں اجر و ثواب اللہ تعالیٰ سے ملیگا۔ گزشتہ ماہ متعدد احباب نے اس طرف توجہ دی ہے ہم شکریہ کے ساتھ ان کیلئے دعاگو ہیں جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

(مینیجر الفرقان ربوہ)

مسجد مُبارک ربوہ میں اعتکاف

رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف ایک مسنون عبادت ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دو مرتبہ کے استثناء کے علاوہ ہر سال اعتکاف فرمایا تھا۔

جماعت احمدیہ کا قیام اقامتِ دین اور احیاءِ سنّتِ نبوی کے لئے ہے اسلئے بیشتر علاقوں میں احباب جماعت اعتکاف کی سنّت بھی بجا لاتے ہیں۔ ربوہ مغربی پاکستان میں جماعت کی مرکزی جگہ ہے اور مسجد مبارک کو یہ خاص امتیاز اور تقدس بھی حاصل ہے کہ خلیفۂ وقت اس میں نماز پڑھاتے ہیں اور اسے خاص بشارتوں اور لمبی دعاؤں سے تعمیر کیا گیا ہے اسلئے احباب کی بہت بڑی تعداد ربوہ کے باشندوں میں سے اور باہر کی جماعتوں میں سے اس بات کی خواہاں ہوتی ہے کہ انہیں مسجد مبارک میں اعتکاف کا موقعہ مل جائے۔ گزشتہ سالوں میں ڈیڑھ صد اور دو صد کے قریب مرد اور خواتین اس مسجد میں معتکف ہوتے رہے ہیں مگر اس صورت میں اعتکاف کی حقیقی خلوت میسّر نہیں آ سکتی اسلئے گزشتہ سال سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ آئندہ سال مناسب اور موزوں تعداد کو مسجد مبارک میں اعتکاف کی اجازت دی جائے باقی احباب دوسری مساجد میں اعتکاف کریں۔ چنانچہ نظارت اصلاح و ارشاد نے اس سال تیس مرد معتکفین کو اور بیس خواتین کو اعتکاف کی اجازت دی۔ ان پچاس کے علاوہ ربوہ کی دیگر مساجد میں بھی احباب اور مستورات نے اعتکاف کیا۔ اللہ تعالیٰ سب کی متضرعانہ دعاؤں کو قبول فرمائے۔ آمین

مسجد مبارک کے معتکفین کا ایک فوٹو ان کے ناموں کے ساتھ اسی شمارہ کے ٹائٹل پیج پر طبع ہو رہا ہے۔ جن بہنوں کو یہ سعادت نصیب ہوئی ان کے اسماء حسب ذیل ہیں:۔

(۱) محترمہ اختر النساء صاحبہ کوئٹہ
(۲) " حمیدہ بیگم صاحبہ کراچی
(۳) " رحیم بی بی صاحبہ گلارچی سندھ
(۴) " ریشم بی بی صاحبہ بہاولپور
(۵) " نواب بیگم صاحبہ علی پور ملتان
(۶) " امۃ الحمید صاحبہ لاہور
(۷) " امیر بیگم صاحبہ سکھر
(۸) " جنت بی بی صاحبہ عالم گڑھ گجرات
(۹) " سردار بیگم صاحبہ ادرحمہ
(۱۰) " امۃ الحفیظ عفت صاحبہ ربوہ
(۱۱) محترمہ رشیدہ بیگم صاحبہ دار الصدر ربوہ
(۱۲) " فاطمہ بیگم صاحبہ کوارٹر تحریک جدید ربوہ
(۱۳) " بیگم بی بی صاحبہ ربوہ
(۱۴) " اللہ رکھی صاحبہ ربوہ
(۱۵) " ممتاز بیگم صاحبہ آف سیالکوٹ دار الصدر ربوہ
(۱۶) " فضل بی بی صاحبہ ربوہ
(۱۷) " حمیدہ حفیظ صاحبہ ربوہ
(۱۸) " محمودہ بیگم صاحبہ ربوہ
(۱۹) " عالم بیگم صاحبہ ربوہ
(۲۰) " آمنہ بیگم صاحبہ ربوہ

بہائیوں کا ایک اہم خفیہ سرکلر

مقاطعہ و عدم گفتگو کے احکامات

[آجکل بہائیوں میں باہمی فرقہ بندی کی شدت ہے ایک دوسرے کے خلاف مقاطعہ و عدم گفتگو کے فتوے جاری ہو رہے ہیں۔ ہمیں ان کا ایک خفیہ سرکلر ۲ مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۶۸ء دستیاب ہوا ہے جس کا اہم حصہ احباب کے علم کے لئے لفظ بلفظ درج کیا جاتا ہے ——— (ایڈیٹر)]

محفل مقدس روحانی ملی بہائیان پاکستان شید اللہ ارکانہ نے اس لجنۂ ملی عہد میثاق الٰہی کو نامزد فرمایا اور اس لجنہ کے پہلے جلسہ میں قرار پایا کہ بذریعہ سرکولر تمام احبائے الٰہی کو تاکیدات محفل مقدس روحانی ملی اور بہائی دستور العمل کی طرف متوجہ کیا جائے۔ اگرچہ ہمیں یقین کامل ہے کہ احبائے عزیز اپنے فرائض بخوبی جانتے ہیں اور تہ دل سے ان پر عمل کرتے ہیں تاہم یہ محض ایک یاد دہانی ہے کہ :-

اوّل یہ کہ احبائے الٰہی میں سے جب کبھی کوئی فرد بہائی مسافرت پر ایک مقام سے دوسرے مقام پر جانے کا ارادہ کریں تو ان کو لازم ہے کہ مقامی محفل مقدس روحانی سے یا جہاں گروپ یا انفرادی بہائی ہیں تو ان کے بجائے دفتر ملی سے اپنا معرفی نامہ حاصل کر کے ضرور اپنے ہمراہ لیجا دیں تاکہ ان کو اس دوسرے مقام پر بہائی تقاریب اور دیگر تشکیلات میں شرکت کرنے کے حقوق حاصل ہوں۔ اور یہ امر لازمی ہے کہ معرفی نامہ کی عدم موجودگی میں وہ فرد بہائی اپنے قیام کے دوران کسی بہائی تقریبات میں یا کسی دیگر تشکیلات میں شرکت کرنے کا مجاز نہیں ہوگا تاوقتیکہ معرفی نامہ مہیا نہ کیا جائے۔

دوم یہ کہ ایسے کئی اشخاص جو ناقضین عہد میثاق الٰہی قرار دئیے جا چکے ہیں اکثر آپ کے علاقہ میں وارد ہوتے ہیں یا آپ کے علاقہ میں رہتے ہیں تو احبائے الٰہی میں سے ہر فرد بہائی کا فرض ہے کہ (۱) ان ناقضین عہد میثاق الٰہی سے ہر ممکن طریقہ پر دُور رہیں (۲) ان سے کسی قسم کی بحث و مباحثہ یا **گفت و شنید** نہ کی جائے حتّی کہ **مطرودین روحانی سے سلام و کلام بھی کسی طریقہ پر جائز نہیں ہے۔ (۳)** ان کی ہر مخالفانہ کارروائی پر دُور ہی سے

نگہداشت کی جائے (۴) ان ناقضینِ عہدِ میثاق سے کسی قسم کا کوئی پمفلٹ خط یا لفافہ یا کسی قسم کی کوئی تحریر کسی ذریعہ سے ملنے پر **بغیر مطالعہ کئے ہوئے** فوراً محفل مقدس روحانی ملی بہائیانِ پاکستان کے حضور میں یا اس لجنہ ملی عہد میثاق الٰہی کو براہِ راست وہ نوشتہ جات اصلی حالت میں ارسال کرکے اپنا فرض ادا کرے۔

(۵) ایسے ہر ممنوعہ شخص کی نقل و حرکت کے بارہ میں خواہ وہ آپ کے دورانِ سفر ہی میں کیوں نہ معلوم ہوں اپنی متعلقہ محفل روحانی کو یا اس لجنہ کو مندرجہ ذیل منشی لجنہ کے پتہ پر براہِ راست ضروری اطلاع ارسال کی جائے۔"

اعضائے رئیسہ کیلئے	پیٹ کی جملہ امراض کیلئے
استعمال فرمائیں **امرت بوٹی**	**نمک نور** رجسٹرڈ A-P.R
اعصابی کمزوری - دماغی کمزوری کمی خون کے لئے نہایت فائدہ مند دوا ہے۔	کمزوری معدہ، ہاضمہ کی خرابی۔ گیس قبض کی نئی اور پرانی بیماری کے لئے فائدہ مند اکسیر ہے
قیمت	قیمت
ساٹھ ٹکیاں چار روپیہ	۵۰ ٹکیاں ایک روپیہ ۲۵ پیسہ
ڈاک محصول الگ	ڈاک محصول علاوہ ہوگا۔

سول ڈسٹری بیوٹرز ناصر دین میڈیکل سٹور گولبازار ربوہ سے خرید فرمائیں

مینوفیکچرنگ شاہ نور فارمیسی نوشہرہ درو شکارپور سندھ

عزیزہ فریدہ کی یاد میں

(مکرم حافظ سلیم احمد صاحب اٹاوی)

عزیزم محمد قاسم خان صاحب بی۔اے کی معصوم بچی جو محترم جناب قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری کی نواسی تھی گزشتہ دنوں فوت ہوگئی۔ جناب حافظ سلیم احمد اٹاوی نے یہ اشعار اسی کی یاد میں کہے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ نعم البدل عطا فرمائے۔ (ایڈیٹر)

آہ کس کا ہے یہ چھوٹا سا مزار
رحمتیں جس پہ برستی ہیں ہزار
روشنی سورج کی ہوتی ہے نثار
چاند لیتا ہے بلائیں بار بار

اے فریدہ یاد جب آتی ہے تو
میری آنکھوں سے برستا ہے لہو
رات دن روتے گزرتی ہے مجھے
یاد شاید تو بھی کرتی ہے مجھے

کاش تیرے بدلے موت آتی مجھے
زندہ رکھتا قادرِ مطلق تجھے
تھی نظر کس کی جو تجھ کو کھا گئی
پھول کی پتی تھی تو مرجھا گئی

کل مجھے اک پل بھی تیرے بن نہیں
بھول جاؤں میں تجھے ممکن نہیں
دے ہمیں مولا ترا نعم البدل
تجھ ہی جیسا خوبصورت میٹھا پھل

اپنی امی اور ابو کے لئے
نور کے جنت میں کر روشن دیئے
کر ہمارے واسطے حق سے دعا
صبر کی توفیق ہم کو دے خدا

الفردوس

انار کلی میں

لیڈیز کپڑے کے لئے

آپ کی اپنی

دکان ھے

الفردوس

۸۵- انارکلی لاہور

روزنامہ الفضل ربوہ

الفضل جماعت احمدیہ کا واحد روزنامہ ہے۔

اس کا ہر احمدی گھرانہ میں پڑھا جانا نہایت ضروری ہے

اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلمات طیبات،

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ کے رُوح پرور

ارشادات و خطبات جمعہ اور علماءِ سلسلہ کے اہم علمی مضامین

شائع ہوتے ہیں۔ اہم جماعتی و ملکی خبریں بھی شائع ہوتی ہیں۔

اس کی خریداری آپ کا جماعتی فرض ہے۔ خود بھی پڑھیے

اور اپنے احباب کو بھی مطالعہ کے لئے دیجئے۔

(مینجر)

ماہنامہ تحریک جدید ربوہ

"اسلام کی روزافزوں ترقی کا آئینہ دار"

آپ خود بھی یہ ماہنامہ پڑھیں اور

غیر از جماعت دوستوں کو بھی پڑھائیں۔

سالانہ چندہ: صرف دو روپے

(مینجنگ ایڈیٹر)

مفید اور مؤثر دوائیں

نُور کاجل

ربوہ کا مشہور عالم تحفہ

آنکھوں کی صحت اور خوبصورتی کے لئے نہایت مفید!

خارش، پانی بہنا، پھنسی، ناخنہ، ضعف بصارت وغیرہ امراض چشم کے لئے بہت ہی مفید ہے۔ متعدد جڑی بوٹیوں کا سیاہ رنگ جوہر ہے جو عرصہ ساٹھ سال سے استعمال میں ہے۔

خشک و تر قیمت فی شیشی سوا روپیہ

تریاقِ اٹھرا

اٹھرا کے علاج کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی بہترین تجویز جو نہایت عمدہ اور بہترین اجزاء کے ساتھ پیش کی جا رہی ہے۔

اٹھرا بچوں کا مُردہ پیدا ہونا یا پیدا ہونے کے بعد جلد فوت ہو جانا یا چھوٹی عمر میں فوت ہو جانا یا لاغر ہونا، ان تمام امراض کا بہترین علاج۔

قیمت پندرہ روپے

نُور منجن

دانتوں کی صفائی صحت کے لئے ازحد ضروری ہے۔ یہ منجن دانتوں کی صفائی اور مسوڑھوں کی حفاظت اور علاج کے لئے بہت مفید ہے۔

فی شیشی ۔ ایک روپیہ

نُور نظر

اولاد نرینہ کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی بہترین تجویز جس کے استعمال سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے لڑکا پیدا ہوتا ہے۔

قیمت مکمل کورس پچیس ۲۵ روپے

خورشید یونانی دواخانہ رجسٹرڈ۔ گولبازار ربوہ۔ فون نمبر ۳۸

(طابع و ناشر:۔ ابوالعطاء جالندھری ؛ مطبع:۔ ضیاء الاسلام پریس ربوہ ؛ مقام اشاعت:۔ دفتر ماہنامہ الفرقان ربوہ)

تین ضروری اعلان

(۱)

الفرقان کے پرانے رسالے نصف قیمت پر

ماہنامہ الفرقان ربوہ کے سنہ ۱۹۵۲ء سے لیکر سنہ ۱۹۶۰ء تک کے ایک سو دس (۱۱۰) متفرق مہینوں کے عام رسالے دفتر میں برائے فروخت موجود ہیں۔ یہ سب رسالے نہایت مدلل اور ٹھوس مضامین پر مشتمل ہیں۔ ان سب رسالوں کی مجموعی قیمت چھیاسٹھ (۶۶) روپے سے کچھ زیادہ بنتی ہے۔ جو دوست سب رسالے خرید کریں گے انہیں کل رسالہ جات نصف قیمت یعنی تنتیس روپے میں دیئے جائیں گے۔ (علاوہ محصول ڈاک)

یہ رعایت اس سال کے ماہ جون سنہ ۱۹۶۹ء تک ہے۔ رسالے کم ہو رہے ہیں۔ شائقین جلد خرید لیں۔ بعد میں یہ رسالے نایاب ہو جائیں گے اور پھر کسی قیمت پر نہ مل سکیں گے۔

(۲)

مجلد مکمل فائل

علاوہ ازیں سنہ ۱۹۶۴ء، سنہ ۱۹۶۵ء، سنہ ۱۹۶۶ء اور سنہ ۱۹۶۷ء (۱۹۶۸) کے مکمل فائل مجلد صورت میں دفتر میں برائے فروخت موجود ہیں۔ ہر مجلد فائل کی قیمت آٹھ روپے ہے۔ علاوہ محصول ڈاک۔

(۳)

خاص نمبروں کے متعلق اعلان

ماہنامہ الفرقان کے خاص نمبر تاریخی حیثیت رکھتے ہیں۔ مندرجہ ذیل خاص نمبر قابل فروخت ہیں:۔

(۱) خاتم النبیینؐ نمبر ۱/- (۲) سیرۃ خیر البشرؐ نمبر ۱/- (۳) حضرت حافظ روشن علیؓ نمبر ۱/- (۴) حضرت میر محمد اسحاقؓ نمبر ۱/- (۵) حضرت قمر الانبیاءؓ نمبر ۲/- (۶) حضرت فضل عمر رضی اللہ عنہ نمبر ۱/- (۷) خلافت نمبر ۵۲/- (۸) جہاد نمبر ۱/- (۹) درویشان قادیان نمبر ۲/۵۰ علاوہ محصول ڈاک۔

مینجر الفرقان۔ ربوہ

سالانہ جلسہ ربوہ کے موقعہ پر

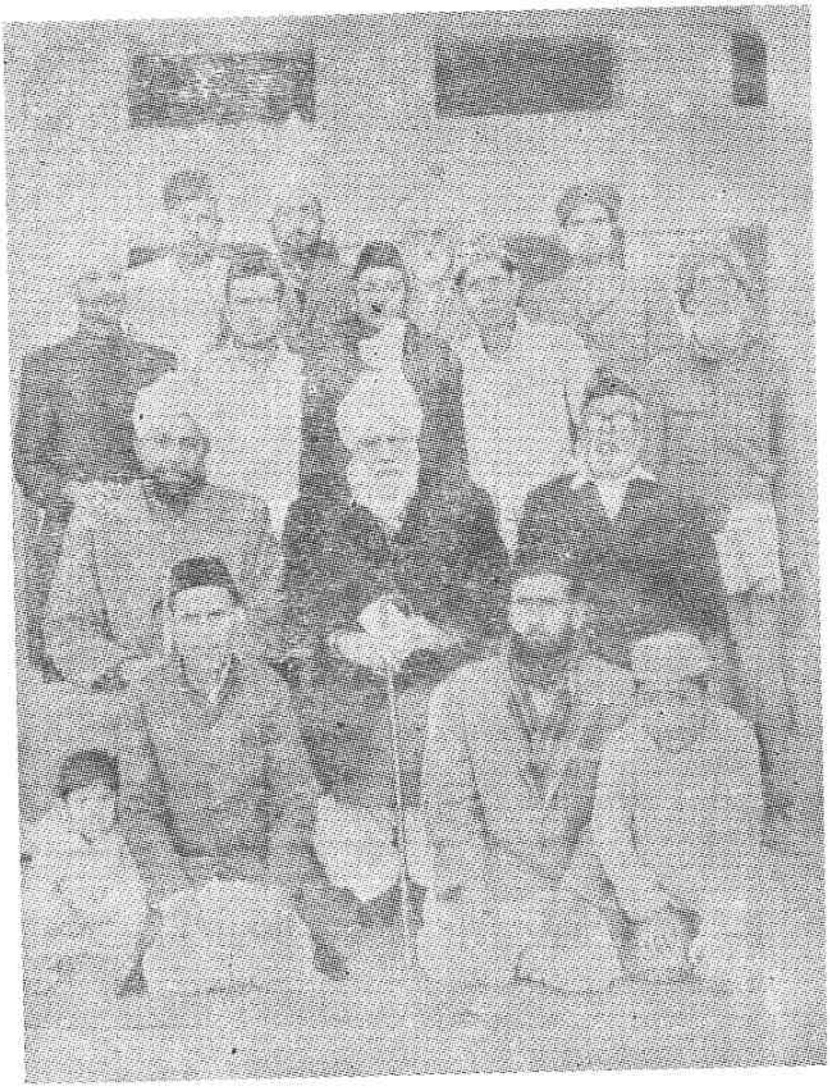

کیرنگ اڑیسہ (بھارت) کے دس احمدی احباب کا قافلہ (دو بچوں سمیت) سیدنا حضرت خلیفۃالمسیح الثالث ایدہ اللہ تعالی بنصرہ کے ساتھ حضور کے بائیں جانب ابوالعطاء بیٹھا ہے اور پیچھے چار مقامی احباب کھڑے ہیں

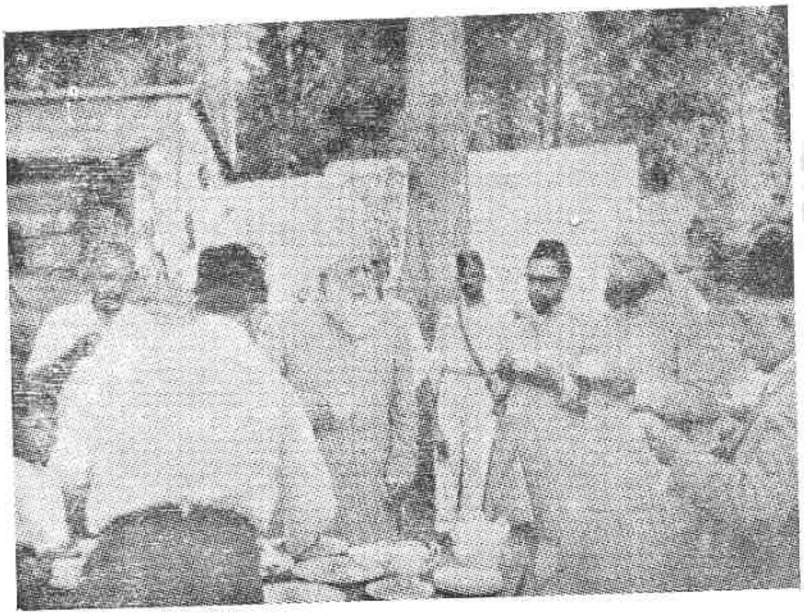

جون ۶۸ میں بنگلہ بوربن (مری) میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز اپنے خدام کے ساتھ

Monthly **AL-FURQAN** *Rabwah*

REGD No. L 5708 JANUARY 1969

مسجد مبارک ربوہ کے معتکفین

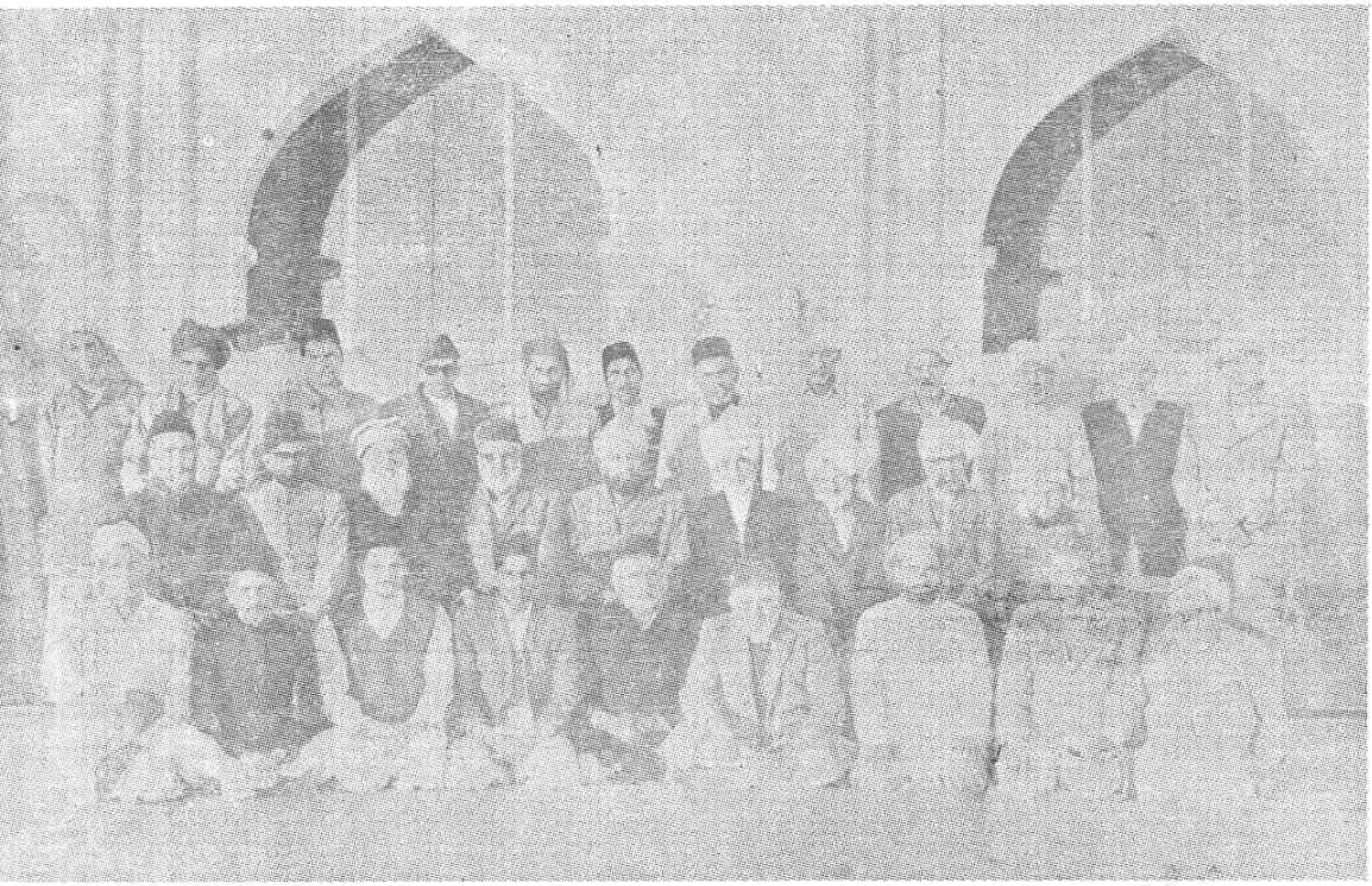

(دائیں سے بائیں کھڑے) : (۱) اللہداد صاحب علوی ڈیرہ اسمعیل خان (۲) رحیم داد صاحب (۳) عبدالرحمان صاحب
قادیانی ضلع لائلپور (۴) چوہدری عبدالعزیز صاحب ضلع سرگودھا (۵) چوہدری محمد حسین صاحب ٹھیکیدا
ربوہ (۶) صوبیدار صلاح الدین صاحب کیمبل پور (۷) سید منیر احمد صاحب کویت (۸) مرزا محمد ادریس
صاحب ربوہ (۹) ماسٹر محمد حسین صاحب لاہور (۱۰) تسنیم ظفر صاحب لاہور (۱۱) حکیم فضل کریم صاحب
گوجرانوالہ (۱۲) وکیل محمد صاحب آزاد کشمیر

(دائیں سے بائیں کرسی پر بیٹھے) : (۱) مولوی عبدالرحمان صاحب ہزارہ (۲) مولوی نورالحق صاحب انور ربوہ (۳
چوہدری عبدالعزیز صاحب لائلپور (۴) چوہدری اکبر علی صاحب (صحابی) کنری (۵) ابوالعطاء جالندھری (۶
ملک حبیب الرحمن صاحب ربوہ (۷) قاضی عبدالرحمن صاحب دوالمیال (۸) عبدالرحمان صاحب بنگالی مبلغ امریکہ
(۹) چوہدری صلاح الدین صاحب ناظم جائداد

(دائیں سے بائیں نیچے بیٹھے) (۱) امام الدین صاحب آزاد کشمیر (۲) چوہدری عبدالحق صاحب ضلع گوجرانوالہ
(۳) عبدالغنی صاحب تارڑ ربوہ (۴) چوہدری شجاعت علی صاحب ربوہ (۵) سیدعبداللہ شاہ صاحب ربوہ (۶
ممتاز احمد ضلع گجرات (۷) رفیق احمد صاحب ججہ گوجرانوالہ (۸) چوہدری محمد رشید صاحب سٹیشن ماسٹ
(۹) جلال لدین صاحب ضلع لائل پور

Only Title printed at the Nusrat Art Press, Rabwah.